قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ ۚ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ (آل عمران:74)

روزنامہ

الفضل

لندن

Online Edition

مدیر: ابوسعید

جمعہ 26/اگست 2022ء | 28/محرم 1444 ہجری قمری | 26 ظہور 1401 ہجری شمسی | جلد:4 | شمارہ:180

ارشاد باری تعالیٰ

وَعِبَادُ الرَّحۡمٰنِ الَّذِیۡنَ یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ هَوۡنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الۡجٰهِلُوۡنَ قَالُوۡا سَلٰمًا ﴿۶۴﴾

(الفرقان:64)

ترجمہ: اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو (جواباً) کہتے ہیں ’’سلام‘‘

فرمان خلیفہ وقت

عاجزی اور انکساری ایک ایسا خلق ہے جب کسی انسان میں پیدا ہو جائے تو اس کے ماحول میں اور اس سے تعلق رکھنے والوں میں باوجود مذہبی اختلاف کے جس شخص میں یہ خلق ہو اس پر انگلی اٹھانے کا موقعہ نہیں ملتا بلکہ اس خُلق کی وجہ سے لوگ اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں، اس سے تعلق رکھنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ ہمیں تاریخ انسانی میں سب سے زیادہ عاجزی اگر کسی میں نظر آتی ہے تو وہ آنحضرتؐ کی ذات ہے چنانچہ دیکھ لیں باوجود خاتم الانبیاء ہونے کے آپ اپنے ماننے والوں کو یہی فرماتے ہیں کہ مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو اور اس یہودی کو بھی پتہ تھا کہ باوجود اس کے کہ میں یہودی ہوں اور جھگڑا امیر المسلمان سے ہے اور پھر معاملہ بھی آپؐ کی ذات سے تعلق رکھتا ہے اپنے اس جھگڑے کا معاملہ آپؐ کے پاس ہی لاتا ہے، آپ کی خدمت میں ہی پیش کرتا ہے۔ کیونکہ مذہبی اختلاف کے باوجود اس کو یہ یقین تھا اور وہ اس یقین پر قائم تھا کہ یہ عاجز انسانؐ کبھی اپنی بڑائی ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کریں گے اور اس یہودی کو یہ بھی یقین تھا کہ میرا دل رکھنے کے لئے اپنے مرید کو یہی کہیں گے کہ مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔ یہ یقین اس لئے قائم تھا کہ آپؐ کی زندگی جو زندگی اس یہودی کے سامنے تھی اس سے یہی ثابت ہوتا تھا اور آپ کا یہ حسن خلق اس کو پتہ تھا اور یہ حسنِ خلق آپ میں اس لئے تھا کہ وہ شرعی کتاب جو آپ پر اتری یعنی قرآن کریم اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ’’اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو جواباً کہتے ہیں سلام‘‘۔ یعنی جھگڑے کو بڑھاتے نہیں بلکہ وہیں معاملہ نپٹا کر ایک طرف ہو جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی جھگڑا کرنے کی کوشش بھی کرے تو اس کو آگے نہیں بڑھنے دیتے۔ جاہلوں کی طرح ذرا ذرا سی بات پر سالوں جنگیں لڑنے کی ان کو عادت نہیں ہے۔ تو یہ ہے وہ حسن خلق جو آنحضرتؐ میں تھا اور جو آپ اپنی امت میں پیدا کرنا چاہتے تھے۔

(خطبہ جمعہ 2 جنوری 2004ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

اس شمارہ میں

- سمت ہے اس کی نہ حد (منظوم)
- ربط ہے جان محمدؐ سے مری جاں کو مدام
- باترجمہ قرآنِ کریم پڑھنا کیوں ضروری ہے؟-بزمِ ناصرات
- بنیادی مسائل کے جوابات
- سیدہ خاتون مرحومہ کا ذکر خیر
- موبائل فونز اور آداب مساجد
- بن جانے اور ہو جانے، میں فرق
- ڈیلی روٹین برائے اطفال

فرمانِ رسولؐ

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضورؐ نے فرمایا ہر انسان کا سر دو زنجیروں میں ہے۔ ایک زنجیر ساتویں آسمان تک جاتی ہے اور دوسری زنجیر ساتویں زمین تک جاتی ہے۔ جب انسان تواضع یا عاجزی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ زنجیر کے ذریعہ اسے ساتویں آسمان تک لے جاتا ہے اور جب وہ تکبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ زنجیر کے ذریعہ اسے ساتویں زمین تک لے جاتا ہے۔ (انتہائی نیچے گرا دیتا ہے)

(کنزالعمال حدیث 5745)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ تواضع انسان کو صرف بلندی میں ہی بڑھاتی ہے۔ پس تواضع اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں رفعتیں عطا کرے گا۔

(کنزالعمال حدیث نمبر 5740)

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحات قلم

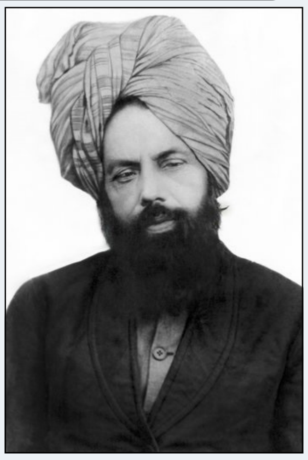

جو خاک میں ملے اسے ملتا ہے آشنا
اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما

- مومن کی یہ شرط ہے کہ اس میں تکبر نہ ہو بلکہ انکسار، عاجزی، فروتنی اس میں پائی جائے اور یہ خدا تعالیٰ کے ماموروں کا خاصہ ہوتا ہے ان میں حد درجہ کی فروتنی اور انکسار ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ میں یہ وصف تھا۔ آپ کے ایک خادم سے پوچھا گیا کہ تیرے ساتھ آپؐ کا کیا معاملہ ہے۔ اس نے کہا سچ تو یہ ہے کہ مجھ سے زیادہ وہ میری خدمت کرتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ۔ تو یہ ہے نمونہ اعلیٰ اخلاق اور فروتنی کا اور یہ بھی سچ ہے کہ زیادہ تر عزیزوں میں خدام ہوتے ہیں جو ہر وقت گردو پیش حاضر رہتے ہیں۔ اس لئے اگر کسی کے انکسار، فروتنی اور تحمل برداشت کا نمونہ دیکھنا ہو تو ان سے معلوم ہو سکتا ہے۔ بعض مرد یا عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ خدمت گار سے ذرا کوئی کام بگڑا۔ مثلاً چائے میں نقص ہو تو جھٹ گالیاں دینی شروع کر دیں یا تازیانہ لے کر مارنا شروع کر دیا اور ذرا شوربے میں نمک زیادہ ہو گیا بس بیچارے خدمتگاروں پر آفت آئی۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 438 ایڈیشن 1988ء)

- عاجزی اختیار کرنی چاہیے۔ عاجزی کا سیکھنا مشکل نہیں ہے اس کا سیکھنا ہی کیا ہے۔ انسان تو خود ہی عاجز ہے اور وہ عاجزی کیلئے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ ﴿۵۷﴾ (الذاریات:57)

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 232)

- ایسے لوگ ہیں جو انبیاء علیہم السلام سے حالانکہ کروڑوں حصہ نیچے کے درجہ میں ہوتے ہیں جو دو دن نماز پڑھ کر تکبر کرنے لگتے ہیں اور ایسا ہی روزہ اور حج سے بجائے تزکیہ کے ان میں تکبر اور نمود پیدا ہوتی ہے۔ یاد رکھو تکبر شیطان سے آیا ہے اور شیطان بنا دیتا ہے۔ جب تک انسان اس سے دور نہ ہو۔ یہ قبول حق اور فیضان الوہیت کی راہ میں روک ہو جاتا ہے کسی طرح سے بھی تکبر نہیں کرنا چاہیے نہ علم کے لحاظ سے نہ دولت کے لحاظ سے نہ وجاہت کے لحاظ سے نہ ذات اور خاندان اور حسب نسب کی وجہ سے۔ کیونکہ زیادہ تر انہیں باتوں سے یہ تکبر پیدا ہوتا ہے اور جب تک انسان ان گھمنڈوں سے اپنے آپ کو پاک صاف نہ کرے گا۔ اس وقت تک وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک برگزیدہ نہیں ہوسکتا اور وہ معرفت جو جذبات کے مواد ردّیہ کو جلا دیتی ہے اس کو عطا نہیں ہوتی کیونکہ یہ شیطان کا حصہ ہے اس کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔

(ملفوظات جلد ہفتم صفحہ 275-276 ایڈیشن 1984ء)

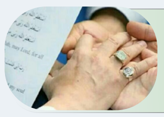

دربارِ خلافت

مَیں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تا ایمانوں کو قوی کروں

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

’’مَیں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تا ایمانوں کو قوی کروں اور خدا تعالیٰ کا وجود لوگوں پر ثابت کر کے دکھلاؤں، کیونکہ ہر ایک قوم کی ایمانی حالتیں نہایت کمزور ہو گئی ہیں اور عالَم آخرت صرف ایک افسانہ سمجھا جاتا ہے۔ اور ہر ایک انسان اپنی عملی حالت سے بتا رہا ہے کہ وہ جیسا کہ یقین دنیا اور دنیا کی جاہ و مراتب پر رکھتا ہے اور جیسا کہ بھروسہ اُس کو دنیوی اسباب پر ہے یہ یقین اور یہ بھروسہ ہرگز اُس کو خدا تعالیٰ اور عالَم آخرت پر نہیں۔ زبانوں پر بہت کچھ ہے مگر دلوں میں دنیا کی محبت کا غلبہ ہے۔ حضرت مسیح نے اسی حالت میں یہود کو پایا تھا اور جیسا کہ ضعفِ ایمان کا خاصہ ہے، یہود کی اخلاقی حالت بھی بہت خراب ہو گئی تھی اور خدا کی محبت ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ اب میرے زمانہ میں بھی یہی حالت ہے۔ سو مَیں بھیجا گیا ہوں کہ تا سچائی اور ایمان کا زمانہ پھر آوے اور دلوں میں تقویٰ پیدا ہو۔ سو یہی افعال میرے وجود کی علّتِ غائی ہیں۔ مجھے بتلایا گیا ہے کہ پھر آسمان زمین کے نزدیک ہو گا، بعد اس کے کہ بہت دُور ہو گیا تھا۔‘‘

(کتاب البریہ، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 291-294 حاشیہ)

پس ہم جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت میں آنے کا دعویٰ کرتے ہیں، ہمیں اپنے جائزے لینے کی ضرورت ہے کہ ہم کس حد تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے مقصد کو پورا کر رہے ہیں۔ آپ نے اعلان فرمایا کہ مَیں ایمانوں کو قوی کرنے آیا ہوں۔ اُن میں مضبوطی پیدا کرنے آیا ہوں۔ ہمیں اپنے جائزے لینے کی ضرورت ہے کہ کیا ہمارے ایمان مضبوطی کی طرف بڑھ رہے ہیں؟ فرمایا کہ ایمان مضبوط ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے وجود کے ثابت ہونے سے، اللہ تعالیٰ پر کامل یقین سے۔ آپ نے فرمایا کہ آج کل دنیا میں دنیا کے جاہ و مراتب پر بھروسہ خدا تعالیٰ پر بھروسے کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف پڑنے کی بجائے دنیا کی طرف زیادہ نگاہ پڑتی ہے۔ وہ یقین جو خدا تعالیٰ پر ہونا چاہئے وہ ثانوی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ اور دنیا والے اور دنیا کی چیزیں زیادہ اہمیت اختیار کر گئی ہیں۔ اگر ہم اپنے ارد گرد نظر دوڑائیں تو یہی صورتحال ہمیں نظر آتی ہے، لیکن اپنے ارد گرد نظر دوڑانا صرف یہ دیکھنے کے لئے نہیں ہونا چاہئے کہ آج دنیا خدا تعالیٰ کی نسبت دنیاوی چیزوں پر زیادہ یقین اور بھروسہ کرتی ہے۔ بلکہ یہ نظر دوڑانا اس لئے ہو کہ ہم اپنے جائزے لیں کہ ہم دنیاوی وسائل پر زیادہ یقین رکھتے ہیں یا خدا تعالیٰ پر۔ اگر ہم بیعت کر کے بھی خدا تعالیٰ کی ہستی کو اُس طرح نہیں پہچان سکے جو اس کے پہچاننے کا حق ہے تو ہماری بیعت بے فائدہ ہے۔ ہمارا اپنے آپ کو احمدی کہلانا کوئی قیمت نہیں رکھتا۔ اگر آج ہم اپنے دنیاوی مالکوں کو خوش کرنے کی فکر میں ہیں اور یہ فکر جو ہے خدا تعالیٰ کو خوش کرنے سے زیادہ ہے تو ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے مقصد کو پورا نہیں کر رہے۔ ہم آپ سے کئے گئے عہدِ بیعت کو نہیں نبھا رہے۔ اگر ہم دنیا کے رسم و رواج کو دین کی تعلیم پر ترجیح دے رہے ہیں تو ہمارا احمدی کہلانا صرف نام کا احمدی کہلانا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ زبانوں سے تو دعوے ہیں کہ ہمیں خدا تعالیٰ کی ہستی پر یقین ہے اور ہم خدا تعالیٰ کو ہی سب سے بالا ہستی سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی محبت ہماری ہر محبت پر غالب ہے، لیکن عملاً دلوں میں دنیا کی محبت کا غلبہ ہے۔ ہمیں اب ہمارے چاروں طرف نظر آتا ہے کہ کیا مسلمان اور کیا غیر مسلم ہر ایک دنیا کی محبت میں ڈوبا ہوا ہے۔ دنیا کی لغویات اور بے حیائیوں نے خدا تعالیٰ کی یاد کو بہت پیچھے کر دیا۔ مسلمانوں کو پانچ وقت نمازوں کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کی محبت کی وجہ سے اس عبادت کا حکم ہے، لیکن عملاً صورتحال اس کے بالکل الٹ ہے۔ ایک احمدی جب اس لحاظ سے دوسروں پر نظر ڈالتا ہے تو اُسے سب سے پہلے اپنے جائزے لینے کی ضرورت ہے کہ کیا ہم اپنی نمازوں کو خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق ادا کر رہے ہیں یا نہیں؟ کیا ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنی عبادتوں کو کرنے کی کوشش کر رہے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس دعوے کی نفی کر رہے ہیں کہ آپ کے آنے کا مقصد اللہ تعالیٰ پر ایمان قوی کرنا ہے۔ آپ کے آنے کا مقصد سچائی کے زمانے کو پھر لانا ہے۔ آپ کے آنے کا مقصد آسمان کو زمین کے قریب کرنا ہے یعنی خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق پیدا کرنا ہے۔ یقیناً ہمارے ایمان اور اعمال کی کمی سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوے کی نفی نہیں ہوتی۔

(خطبہ جمعہ 11/ اکتوبر 2013ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

سمت ہے اس کی نہ حد

کلام چوہدری محمد علی مضطرؔ عارفی

سمت ہے اس کی نہ حد
قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ

اور سب محتاج ہیں
ذات ہے اس کی صمد

یکّہ و تنہا ہے وہ
اس کا والد نہ ولد

لَا کا ہے اِثبات وہ
نفی ہے اس کی نہ رد

اس کے در کے ہیں فقیر
پست و بالا، نیک و بد

کون ہے اس کے سوا
معتبر اور مستند

اس کے حرف و صوت و لفظ
زیر و پیش، مدّ و شد

اس کے سارے انقلاب
جذر، سارے، سارے مد

سب حساب اس کے حساب
ہر عدد اس کا عدد

وقت ہے اس کا غلام
ہر ازل اور ہر ابد

امۃ الباری ناصر۔ امریکہ

ربط ہے جانِ محمدؐ سے مری جاں کو مدام

طنز و مزاح میں شگفتگی

قسط 34

قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰہِ وَبِرَحۡمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلۡیَفۡرَحُوۡا ؕ ہُوَ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ

(یونس:59)

تُو کہہ دے کہ (یہ) محض اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے۔ پس اس پر چاہئے کہ وہ بہت خوش ہوں۔

اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿ۚ۶۳﴾

(یونس:63)

سنو کہ یقیناً اللہ کے دوست ہی ہیں جن پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

جو لوگ خدا کے ہو کے رہتے ہیں ان کو کسی قسم کا خوف باقی نہیں رہتا اور وہ غم نہیں کرتے

(ست بچن، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 229)

آنحضورﷺ نفسِ مطمئنہ رکھتے تھے اور مقام رضا پر فائز تھے اطمینان قلب نصیب تھا۔ بشاشت اور لطیف حسِ مزاح رکھتے تھے آپؐ کے کھلے کھلے متبسم چہرہ، خندہ پیشانی، شائستہ گفتگو سے ماحول روشن اور خوشگوار رہتا۔ آپؐ کی ذات بابرکات میں رؤوف و رحیم خدا کی صفات کا رنگ نظر آتا۔ نور کی کرنیں مخاطبین کے دل موہ لیتیں۔ آپؐ لطیف اور پاکیزہ مزاح ’صاف ستھرا اور سچا مذاق کرتے تھے۔ حق اور سچ سے ہٹ کر کوئی بات نہ ہوتی حتیٰ کہ زیبِ داستاں کے لئے رنگ آمیزی اور مبالغہ آرائی بھی نہ کرتے۔

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا، میں مزاح تو کرتا ہوں، لیکن ہمیشہ سچ کہتا ہوں۔

(مشکوٰۃ صفحہ 416)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ گھر میں ہمیشہ خوش اور ہنستے مسکراتے وقت گزارتے تھے۔

(شرح مواھب اللدنیہ للزرقانی جلد 4 صفحہ 253)

حضورﷺ سب سے زیادہ کریم الاخلاق تھے، ہنستے اور مسکراتے بھی تھے۔ لیکن آپ ﷺ کی شانِ ظرافت، خوش طبعی، دل لگی اور دل آویز تبسم اعتدال اور میانہ روی کا مرقّع تھا۔

میں نے آنحضرت ﷺ کو کبھی زور سے قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپؐ کا ہنسنا تبسم کے انداز سے ہوتا تھا۔

(صحیح بخاری کتاب الادب باب التبسم)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریمؐ کے مدینہ منورہ میں ابتدائی زمانے کے ایک سفر کا ذکر ہے، میں لڑکی سی تھی، ابھی موٹاپا نہیں آیا تھا۔ نبی کریمؐ نے قافلہ کے لوگوں کو آگے جانے کی اجازت دے دی۔ پھر مجھے فرمانے لگے آؤ، دوڑ کا مقابلہ کرتے ہیں۔ میں نے دوڑ لگائی تو آپؐ سے آگے نکل گئی۔ حضورؐ خاموش رہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بعد میں جب میرا جسم کچھ فربہ ہوگیا اور وزن بڑھ گیا ہم ایک اور سفر کے لیے نکلے۔ رسول اللہؐ نے پھر قافلہ سے فرمایا کہ آپ لوگ آگے نکل جائیں۔ اور مجھے فرمایا آؤ آج پھر دوڑ لگاتے ہیں۔ ہم نے دوڑ لگائی اس دفعہ رسول کریمؐ آگے نکل گئے۔ اور مسکراتے ہوئے فرمانے لگے لو پہلی دفعہ تمہارے جیتنے کا بدلہ بھی آج اُتر گیا۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 6 صفحہ 264)

حضرت عبداللہ بن حارثؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مسکراتے ہوئے کسی اور شخص کو نہیں دیکھا۔

(سنن ترمذی ابواب المناقب باب بشاشۃ النبیؐ)

حضرت سماک بن حرب کہتے ہیں کہ میں نے جابرؓ بن سمرہ سے پوچھا کہ کیا آپ حضورؐ کی مجالس میں بیٹھا کرتے تھے؟ فرمایا بہت کثرت کے ساتھ۔ حضورؐ فجر کی نماز پڑھانے کے بعد جائے نماز پر ہی سورج طلوع ہونے تک تشریف فرما رہتے تھے۔ صحابہؓ آپس میں زمانہ جاہلیت کی باتیں کر کے ہنسا کرتے تھے اور حضورؐ بھی ان کے ساتھ تبسم فرمایا کرتے تھے۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل باب تبسم)

ایک دفعہ ایک شخص حضور ﷺ کے پاس آیا اور آپؐ سے اپنے لئے سواری مانگی۔ حضورؐ نے فرمایا ٹھیک ہے میں تمہیں اونٹنی کا بچہ دے دوں گا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! میں اونٹنی کے بچے کو کیا کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا ’’کوئی اونٹ ایسا بھی ہے جو اونٹنی کا بچہ نہ ہو۔‘‘

(سنن ترمذی ابواب البر و الصلۃ باب فی المزاح)

ایک بوڑھی عورت نے عرض کیا کہ حضورؐ کیا میں جنت میں جاؤں گی۔ آپؐ نے فرمایا کہ جنت میں تو صرف جوان عورتیں جائیں گی وہ افسردہ ہوگئی تو فرمایا ’’جنت میں بوڑھے بھی جوان کر کے لیجائے جائینگے۔‘‘

(الشمائل المحمدیہ للترمذی صفۃ مزاح رسول اللہ)

حضور ﷺ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی آپؐ نے اس کے شوہر کی بابت پوچھا تو اس نے نام بتایا جس پر آپؐ نے فرمایا۔ وہی جس کی آنکھوں میں سفیدی ہے جونہی وہ عورت گھر پہنچی تو اپنے شوہر کی آنکھوں کو غور سے دیکھنے لگی۔ اس کے خاوند نے کہا۔ تجھے کیا ہوگیا ہے۔ عورت نے جواب دیا کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے بتایا ہے کہ تیری آنکھوں میں سفیدی ہے۔ یہ سن کر اس نے کہا میری آنکھوں میں سفیدی سیاہی سے زیادہ نہیں ہے۔

(شرف النبیؐ از علامہ ابوسعید نیشا پوری مترجم صفحہ 109)

حضور ﷺ ایک دفعہ سواری پر سوار ہو کر قباکی طرف جانے لگے۔ ابوہریرہؓ ساتھ تھے۔ حضورؐ نے ان سے فرمایا کیا میں تمہیں بھی سوار کرلوں۔ انہوں نے عرض کیا جیسے حضورؐ کی مرضی تو فرمایا آؤ تم بھی سوار ہو جاؤ۔ حضرت ابوہریرہؓ نے سوار ہونے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے اور گرتے گرتے حضور کو پکڑ لیا اور حضورؐ کے ساتھ گر پڑے۔

حضورؐ پھر سوار ہوئے اور ابوہریرہؓ کو سوار ہونے کی دعوت دی مگر وہ دوسری دفعہ بھی حضورؐ کو لے کر گر پڑے۔ حضورؐ پھر سوار ہوئے اور ابوہریرہؓ سے پوچھا کیا تمہیں بھی سوار کرلوں تو کہنے لگے اب میں آپ کو تیسری دفعہ نہیں گرانا چاہتا۔

(المواھب اللدنیہ۔ زرقانی جلد 4 صفحہ 265 دارلمعرفہ بیروت)

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول کریمؐ پر جب وحی آتی یا جب آپؐ وعظ فرماتے تو آپؐ ایک ایسی قوم کو ڈرانے والے معلوم ہوتے جس پر عذاب کا خطرہ ہو مگر آپؐ کی عمومی کیفیت یہ تھی کہ سب سے زیادہ مسکراتا ہوا حسین چہرہ آپؐ کا ہوتا تھا۔

(مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 17)

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ اپنی صاحبزادی فاطمہؓ کے ہاں تشریف لائے تو حضرت علیؓ کو گھر میں موجود نہ پایا تو آپؐ نے پوچھا تمہارے شوہر کہاں ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ ہمارے مابین کچھ تکرار ہوگئی۔ وہ مجھ سے ناراض ہو کر چلے گئے اور گھر میں دوپہر آرام بھی نہیں کیا۔ رسول کریم ﷺ نے ایک شخص کو بھجوایا کہ دیکھو وہ کہاں گئے؟ اس نے آکر بتایا کہ وہ مسجد میں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے گئے تو حضرت علیؓ زمین پر لیٹے تھے ان کی چادر جسم سے سرکی ہوئی تھی اور پہلو غبار آلود تھا۔ رسول کریم ﷺ پہلے تو پیار سے حضرت علیؓ سے مٹی پونچھنے لگے پھر فرمایا: اٹھو اے ابوتراب (مٹی کے باپ)! اور یوں حضرت علیؓ کی ایک یہ کنیت بھی معروف ہوئی۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل بَابُ مِنۡ فَضَائِلِ عَلِیِّ بۡنِ أَبِی طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ بعض دفعہ اپنے گھر کے خادم حضرت انسؓ کو دوکانوں والا کہہ کر یاد فرماتے۔ اب ظاہر ہے کہ ہر شخص کے دو کان ہی تو ہوتے ہیں۔ مگر رسول اللہ کا پیار سے انسؓ کو یوں پکارنا کہ اے دوکانوں والے! ذرا ادھر آنا۔ کیا مزاح پیدا کردیتا ہوگا۔

(شمائل الترمذی باب فی صفۃ مزاح رسول اللہ)

حضرت محمود بن ربیعؓ نے کم سنی میں حضورؐ کے محبت بھرے مزاح کی ایک بات عمر بھر یاد رکھی۔ وہ فرماتے تھے کہ میری عمر پانچ سال تھی حضورؐ ہمارے ڈیرے پر تشریف لائے۔ آپؐ نے ہمارے کنویں سے پانی پیا اور ڈول سے پانی منہ میں لے کر اس کی ایک پچکاری میرے اوپر پھینکی تھی۔

(بخاری کتاب العلم باب 13)

ایک اور صحابی حضرت سفینہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول کریمؐ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، جب ہمارا کوئی ساتھی تھک جاتا تو وہ اپنا سامان تلوار ڈھال یا نیزہ مجھے پکڑا دیتا یہاں تک کہ میرے پاس بہت سا سامان اکٹھا ہوگیا۔ نبی کریمؐ نے یہ سب دیکھ کر فرمایا تم تو واقعی سفینہ (یعنی کشتی) ہو۔ جس نے سب مسافروں کا سامان سنبھال رکھا ہے۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 5 صفحہ 221، ابوداؤد کتاب الادب باب 18)

ایک دفعہ حضرت صہیبؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ کے سامنے کھجوریں اور روٹی پڑی تھی۔ آپؐ نے صہیبؓ کو بھی دعوت دی کہ کھانے میں شامل ہوجائیں۔ صہیبؓ روٹی کی بجائے کھجوریں زیادہ شوق سے کھانے لگے۔ رسول کریمؐ نے ان کی آنکھ میں سوزش دیکھ کر فرمایا کہ تمہاری ایک آنکھ دکھتی ہے۔ اس میں اشارہ تھا کہ کھجور کھانے میں احتیاط چاہیے۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہؐ! میں صحت مند آنکھ والی طرف سے کھجوریں کھا رہا ہوں۔ نبی کریمؐ اس مزاح سے بہت محظوظ ہوئے اور اس صحابی کی حاضر جوابی پر تبسّم فرمانے لگے۔

حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت اور خوش اخلاق تھے۔

(بخاری کتاب المناقب۔ باب صفۃ النبی ﷺ)

(مسند احمد جلد 4 صفحہ 61 دار الکتاب العربی بیروت)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک دیہاتی زاہر نامی دوست تھے جو اکثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیے بھجوایا کرتے تھے۔ ایک روز وہ بازار میں اپنی کوئی چیز بیچ رہے تھے۔ اتفاق سے حضور ﷺ ادھر سے گزرے ان کو دیکھا تو بطور خوش طبعی چپکے سے پیچھے سے جا کر ان کو اپنے جسم کے

ساتھ لگا لیا اور ہنستے ہنستے آواز لگائی کہ اس غلام کو کون خریدتا ہے؟ زاہر نے کہا مجھے چھوڑ دو کون ہے؟ مڑ کر دیکھا تو حضور ﷺ تھے۔ حضرت زاہرؓ نے کہا: یارسول اللہ! مجھ جیسے غلام کو جو خریدے گا نقصان اٹھائے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تم خدا کی نظر میں ناکارہ نہیں ہو۔

(محسن انسانیت، اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''انبیاء علیہم السلام کا وجود بھی ایک بارش ہوتی ہے۔ وہ اعلیٰ درجہ کا روشن وجود ہوتا ہے۔ خوبیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ دنیا کے لئے اس میں برکات ہوتے ہیں۔ اپنے جیسا سمجھ لینا ظلم ہے۔ اولیاء اور انبیاء سے محبت رکھنے سے ایمانی قوت بڑھتی ہے''

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 213 حاشیہ۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزاج میں اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا عکس ودیعت کیا گیا تھا۔ وہی خندہ پیشانی بشاش چہرہ، نرم لہجہ جو دوسروں کے دلوں کو اسیر کر لیتا اور ماحول کو تر و تازہ کر دیتا۔

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیلؓ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے چہرہ مبارک کی قلمی تصویر بناتے ہوئے لکھتے ہیں: آپؑ کا چہرہ کتابی یعنی معتدل لمبا تھا۔ اور حالانکہ عمر شریف 70 اور 80 کے درمیان تھی پھر بھی جھریوں کا نام نشان نہ تھا اور نہ متفکر اور غصہ ور طبیعت والوں کی طرح پیشانی پر شکن کے نشانات نمایاں تھے۔ رنج۔ فکر۔ تردد یا غم کے آثار چہرہ پر دیکھنے کی بجائے زیارت کنندہ اکثر تبسم اور خوشی کے آثار دیکھتا تھا۔

(مضامین حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل حصہ اول صفحہ 528)

حضرت مولوی عبدالکریم سیالکوٹیؓ نے حضرت اقدسؑ کی سیرت پر مختصر سی کتاب لکھی ہے مگر جامعیت میں بحر بے کنار ہے۔ آپؑ کے مزاج مبارک کی دلآویزی کے بارے میں رقم طراز ہیں: سالہا سال سے دیکھا اور سنا ہے کہ جو طمانیت اور جمعیت اور کسی کو بھی آزار نہ دینا حضرت کے مزاج مبارک کو صحت میں حاصل ہے وہی سکون حالتِ بیماری میں بھی ہے اور جب بیماری سے افاقہ ہوا معاً وہی خندہ رُوئی اور کشادہ پیشانی اور پیار کی باتیں۔ مَیں بسا اوقات عین اس وقت پہنچا ہوں جب کہ ابھی ابھی سر درد کے لمبے اور سخت دورہ سے آپؑ کو افاقہ ہوا آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا ہے تو مسکرا کر دیکھا ہے اور فرمایا ہے اب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گویا آپ کسی بڑے عظیم الشان دل کشا نزہت افزا باغ کی سیر سے واپس آئے ہیں جو یہ چہرہ کی رنگت اور چمک دمک اور آواز میں خوشی اور لذت ہے۔

(سیرت مسیح موعودؑ از عبدالکریم سیالکوٹیؓ صفحہ 25-26)

حضرت نواب مبارکہ بیگمؓ ایک بڑا ہی پر لطف واقعہ لکھتی ہیں۔ لینڈو پر سیر کے لئے نکلے' سامنے گھوڑوں کی جانب پشت کی طرف حضرت اقدس علیہ السلام اور حضرت اماں جانؓ ہوتی تھیں اور سامنے میں۔ لاہور اس وقت اتنا بڑا نہ تھا۔ باہر نکل کر غیر آباد سڑکوں کے چکر کاٹ کر ہم واپس آتے۔ آپؑ فرماتے تھے ''نقاب اٹھا دو گاڑی چل رہی ہے کوئی نہیں دیکھتا۔ کھیتوں میں ہو گا کوئی بیچارہ کسان اپنے کام میں مصروف ہو گا''

ایک دن اسی طرح بیٹھے ہوئے آپؑ نے فرمایا: ''اب ذرا نقاب نیچے کر لینا میاں محمود گھوڑے پر آ رہے ہیں اس کو پردہ کا بہت خیال رہتا ہے۔ غصہ چڑھے گا''

یہ الفاظ آپؑ کے لبوں سے بہت پیاری مسکراہٹ کے ساتھ نکلے تھے۔ میں نے گردن نکال کر دیکھا 'سڑک سے اگلی سڑک کے موڑتے کہیں ان کا گھوڑا نظر نہیں آ رہا تھا۔ چند منٹ کے بعد وہی ہوا کہ حضرت بھائی صاحب گھوڑا دوڑاتے پاس سے گزرے اور مجھے جھانکتے دیکھ کر گھورا۔

(مبارکہ کی کہانی مبارکہ کی زبانی صفحہ 15-16)

ایک دفعہ مولوی کرم الدین صاحب کے مقدمہ میں حضورؑ گورداسپور تشریف لے گئے اور بوجہ روزانہ پیشیوں کے حضورؑ نے وہاں قیام فرما لیا۔ حضرت میاں عبدالرحیم صاحب ولد میاں محمد عمر صاحب کھانا پکوا کر اوپر بھجوا دیتے اپنے لئے نہیں نکالتے تھے سارا بھجوا دیتے تھے حضورؑ جب کھانا کھا لیتے تو پھر خود کھاتے تھے۔ ایک دن مہمان زیادہ آ گئے کھانا نہ بچا اس لئے حافظ حامد علی صاحب مرحوم ان کو کھانا نہ بھجوا سکے۔ حضرت میاں عبدالرحیم بیان کرتے ہیں 'مَیں حافظ صاحب سے غصے ہو گیا اور یونہی سو گیا۔ صبح حضورؑ نے آواز دی کہ کیا کھانا تیار ہے۔ حافظ حامد علی صاحبؓ نے حضورؑ سے عرض کیا کہ ابھی تو کھانا پکانے والا ہی نہیں اُٹھا اور ہم سے غصّہ ہیں۔ پھر حضورؑ نے کھڑکی کی طرف سے آواز دی۔ کھڑکی چوبارے کی تھی اور باورچی خانے کے سامنے تھی مگر مَیں نے پھر بھی آواز نہ دی۔ اس پر حضور نے پھر آواز دی مَیں نے پھر بھی جواب نہیں دیا۔ پھر حضور خود تشریف نیچے لے آئے اور فرمایا کہ ''کاکا'' آج کیا ہو گیا ہے، کھانا کس طرح تیار کرو گے؟ اس پر حافظ حامد علی صاحب نے دوبارہ عرض کیا کہ حضور! یہ رات سے ناراض ہے کیونکہ اس نے کہا تھا کہ حضور کے کھانے کے بعد میرا کھانا لانا، مگر چونکہ کھانا بچا نہیں تھا اس لئے اس کو نہ دے سکا۔ اس پر حضورؑ نے فرمایا کہ اس کو پہلے دے دیا کرو۔ اُس نے عرض کیا (حافظ حامد علی نے) کہ یہ پہلے نہیں لیتا۔ پھر حضورؑ نے حافظ صاحب کو کہا کہ اس کے لئے ایک سیر دودھ روزانہ لایا کرو۔ اُس بات کو سن کے مَیں مچلا بنا ہوا سو رہا تھا۔ مَیں فوراً اُٹھا اور عرض کی کہ آدھے گھنٹے کے اندر اندر کھانا تیار ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے جلدی جلدی آگ جلا کر آدھا گھنٹہ گزرنے سے پہلے کھانا تیار کر دیا۔ جب حضورؑ کے پاس کھانا گیا تو مَیں بھی اوپر چوبارے پر چلا گیا۔ حضورؑ نے پوچھا تم نے کیا طلسمات کیا ہے؟ کیا جادو کیا ہے؟ مَیں نے عرض کیا پھر بتاؤں گا۔ دوسرے دن صبح جب مہندی لگانے کے لئے گیا تو فرمایا کل کیا جادو کیا تھا کہ کھانا اتنی جلدی تیار ہو گیا۔ چونکہ حضورؑ اکیلے تھے مَیں نے حضور سے عرض کیا کہ دراصل خالی گوشت پک رہا تھا، گوشت رکھ کے تو ہلکی آنچ مَیں نے رکھ دی تھی، اور تیز آگ بند کی ہوئی تھی۔ اُس وقت جب آپ نے کہا تو مَیں نے جلدی سے سبزی ڈالی اور کھانا تیار ہو گیا۔ حضرت صاحب اس سے بڑے ہنسے اور خوش ہوئے۔

(ماخوذ از روایات حضرت میاں عبدالرحیمؓ
رجسٹر روایات غیر مطبوعہ جلد 8 صفحہ 228-230)

حضرت حکیم اللہ بخش صاحبؓ نے بیان فرمایا:

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے والد صاحب ایک ماہر طبیب تھے۔ ایک دفعہ بیاس کے پار سے ایک نوجوان قادر بخش نام، ان کا نام سن کر قادیان آیا۔ مگر اسے معلوم ہوا کہ وہ تو فوت ہو گئے ہیں۔ اس پر حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت صاحب نے رہنے کو مکان دیا۔ دوا اور غذا سب اپنے پاس سے مہیا فرماتے رہے۔ خدا کے فضل سے وہ جلد صحت یاب ہو گیا اور بعد میں کئی دن یہاں رہا۔ ایک روز اس نے بانگ کہی چونکہ اُس کی آواز بہت اعلیٰ تھی اس لئے حضرت صاحب نے حکم دیا کہ میاں قادر بخش پانچ وقت تم ہی بانگ کہا کرو۔ چونکہ اس کی آواز بہت ہی بلند تھی۔ مسلمان تو بہت ہی خوش ہوتے تھے۔ مگر ہندوؤں کو تکلیف ہوتی تھی۔ وہ دل میں بُرا مناتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت صاحب کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ مرزا جی اس قادر بخش کی آواز بہت دور جاتی ہے۔ فرمایا آپ کو اس سے کوئی تکلیف تو نہیں پہنچتی؟ کہنے لگے واہ گرو واہ گرو گئودی سَوں تکلیف نہیں اسیں سگوں راجی ہوندے آں۔ پر ایس نوں تُسی کہو ایڈی اُچی نہ آکھے ذرا نیویں آکھ لیا کرے۔ (واہے گرو، واہے گرو، گائے کی قسم تکلیف نہیں ہم تو بلکہ خوش ہوتے ہیں پر آپ اس کو کہیں اتنی اُونچی نہ دیا کرے ذرا ہلکی آواز میں دیا کرے۔ ناقل) حضور نے فرمایا جب آپ کو تکلیف نہیں دیتی تو اس سے بھی اُونچی کہا کرے گا ''نیویں'' کی کیا ضرورت ہے

ایک روز میاں قادر بخش کو فرمایا کہ اب تو تُو خوب تندرست ہے۔ عرض کی۔ حضور دیکھنے میں ایسا نظر آتا ہوں میرے بیچ میں کچھ نہیں۔ حضور نے ہنس کر فرمایا (مجھے مخاطب کر کے) دیکھو اللہ بخش! قادر بخش سچ کہتا ہے۔ واقعی لہو اور چربی کے سوا اس کے بیچ میں کچھ نہیں۔

روایات بیان فرمودہ حضرت حکیم اللہ بخش صاحب

(رجسٹر روایات صحابہ نمبر 4 صفحات 60 تا 67)

حضرت مفتی محمد صادقؓ تحریر فرماتے ہیں (قریباً 1902ء) میں ایک لیڈی مس روز نام تھی جس کے مضامین اُس ملک کے اخباروں میں اکثر چھپا کرتے تھے میں نے اُس کے ساتھ تبلیغی خط و کتابت شروع کی اور اُس کے خط جب آتے تھے میں عموماً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ترجمہ کر کے سنایا کرتا تھا اور ہماری مجلسوں میں اُسے مس گلابو کہا جاتا تھا۔ ایک دفعہ مس گلابو نے اپنے خط کے اندر پھولوں کی پتیاں رکھ دیں حضرت صاحب نے اُنہیں دیکھ کر فرمایا۔

''یہ پھول محفوظ رکھو کیونکہ یہ بھی یَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ کی پیشگوئی کو پورا کرنے والے ہیں۔''

(ذکر حبیب صفحہ 99)

حضرت پیر سراج الحق نعمانیؓ حضرت اقدسؑ کی پاکیزہ محافل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: بعض وقت میں کوئی لطیفہ سنا دیتا تو ہنستے اور فرماتے کہ صاحبزادہ صاحب اتنے لطیفے تم نے کہاں سے یاد کر لئے؟ ایک شخص نماز نہیں پڑھتا تھا وہ اتفاق سے ایک کام کے لئے مسجد مبارک میں گیا مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم نے کہا آج تم کیسے مسجد میں آ گئے نماز تو پڑھتے نہیں۔ حضرت اقدسؑ نے کچھ نہ فرمایا میں نے کہا کہ حضرت اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک مراثی کا گھوڑا مسجد میں گھس گیا لوگوں نے اس کو دھمکایا اور کہا کہ مراثی تیرے گھوڑے نے مسجد کی بے ادبی کی۔ مراثی نے جواب دیا کہ جناب گھوڑا حیوان تھا اس نے مسجد کی بے ادبی کی اور مسجد میں گھس گیا کبھی مجھے بھی دیکھا کہ میں نے کبھی مسجد کی بے ادبی کی ہو اور مجھے کبھی مسجد میں گھستے اور بے ادبی کرتے دیکھا ہے؟ حضرت اقدسؑ ہنسے اور فرمایا اس شخص پر یہ مثال خوب صادق آئی بے شک یہ آج بھولے سے مسجد میں آ گیا ہے۔ وہ شخص ایسا خفیف اور شرمندہ ہوا کہ اسی روز سے نماز پڑھنے لگا۔

(تذکرۃ المہدی صفحہ 179)

درج ذیل واقعہ بھی حضرت پیر سراج الحق نعمانیؓ نے بیان کیا:

حضرت اقدسؑ نے فرمایا' آج ہمیں دکھایا گیا ہے کہ ان موجود اور حاضر لوگوں میں کچھ ہم سے پیچھ دئے بیٹھے ہیں۔ اور ہم سے رُوگرداں ہیں اور کراہت کے ساتھ ہم سے دوسری طرف پھیر رکھا ہوا ہے۔ یہ باتیں حضرت اقدسؑ کی سن کر میں اور دوسرے اکثر احباب ڈر کر خوف زدہ ہو گئے اور استغفار پڑھنے لگے۔ خیر حضرت اقدسؑ جب اندر مکان میں تشریف لے گئے اور اندر سے کنڈی لگا لی سید شاہ صاحب بہت ہی گھبرائے اور چہرہ فق ہو گیا اور جلدی سے آپ کے دروازہ کی

بقیہ صفحہ 9 پر

ثمرہ خالد۔ جرمنی

بزمِ ناصرات

باترجمہ قرآنِ کریم پڑھنا کیوں ضروری ہے؟

پیاری ناصرات! قران کریم اللہ تعالیٰ کا ہمارے نام وہ خط ہے جو ہمارے لئے ہدایت، علم وعرفان اور زندگی گزارنے کے اصولوں پر مشتمل پیغامات لیے ہوئے ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہمیں کیسے علم ہو کہ قرآنِ کریم ہمیں کیا بتانا اور سکھانا چاہتا ہے؟ یہ تب ہی ممکن ہے جب قرآنِ کریم کو ترجمہ کے ساتھ پڑھا جائے تا اس کا عرفان اور اس کی تعلیمات پر شرحِ صدر کے ساتھ عمل کی توفیق مل سکے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ’’قرآن شریف کا ترجمہ بھی پڑھو اور نمازوں کو سنوار سنوار کر پڑھو اور اس کا مطلب بھی سمجھو۔ اپنی زبان میں بھی دعائیں کرلو۔ قرآن شریف کو ایک معمولی کتاب سمجھ کر نہ پڑھو۔ بلکہ اس کو خدا تعالیٰ کا کلام سمجھ کر پڑھو۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 191)

ہمارے پیارے آقا حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں’’ پھر قرآن شریف جب آپ پڑھیں پندرہ سولہ سال کی عمر کے بچے ہیں بلکہ 14 سال کی عمر میں بھی۔ اب یہ بڑی عمر کے بچے ہیں، میچور ہو گئے ہیں، سوچیں ان کی بڑی میچور ہونی چاہئیں اس عمر میں آ کے آپ اپنے مستقبل کے بارے میں، اپنے فیوچر کے بارے میں بھی سوچنا شروع کر دیتے ہیں تو اس میں خاص طور پر یاد رکھیں کہ قرآن شریف جب آپ پڑھ رہے ہیں تو اس کا ترجمہ سیکھنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ یہ بھی ایک حدیث ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن شریف جو ہے اس کا ایک سرا خدا کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھ میں۔ یہی مطلب ہے کہ اگر تم لوگ اس کو پڑھو اور اس پر عمل کرو اس کو سمجھو تو تم نیکیاں کرنے کی کوشش کرو گے اور جب تم نیکیاں کرو گے اللہ تعالیٰ تک تم پہنچ سکو گے۔ دعائیں کرنے کا تمہیں موقعہ ملے گا۔ نمازیں پڑھنے کا تمہیں مزہ آئے گا اور پھر اللہ تعالیٰ کے جو حکم ہیں ان کو سمجھنے کی توفیق ملے گی۔ تو یہ جس طرح میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ صرف طوطے کی طرح یاد کرنا کہ زبانی یاد کر لیا اور بس کافی ہو گیا۔ جو سیکھنا ہے اس پر عمل کرنے کی بھی کوشش کرنی ہے اور اسی طرح آپ لوگ جو پڑھائی کرتے ہیں اس میں بھی دنیاوی دوسری تعلیم جو سکول کی تعلیم ہے اس میں بھی یہ چیز یاد رکھیں کہ جو آپ سیکھ رہے ہیں اس کو دین کی تعلیم کے ساتھ ملا کر سیکھیں۔ تا کہ جو ایسے لوگ ہیں جن کو مذہب کا پتا نہیں ایسے بچے آپ کو سکول میں آپ سے بحث کرتے ہیں بات کرتے ہیں بعض لوگ خدا تعالیٰ کو نہیں مانتے تو ان کو سمجھانے کے لیے بھی دین سیکھیں اور دین کو اس تعلیم کے ساتھ ملائیں تا کہ آپ ان کو سمجھا سکیں کہ اللہ تعالیٰ کی بھی ایک ذات ہے۔ اسی نے دنیا کو پیدا کیا ہے۔ اسی کی ہمیں خدمت کرنی چاہیے اور اسی سے سب کچھ مانگنا چاہیے۔‘‘

(بحوالہ مشعل راہ جلد پنجم حصہ دوم صفحہ 364-365 ایڈیشن انڈیا 2007ء)

ایک اور جگہ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں۔ ایک وقت تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ صحیح طور پر قرآن کریم نہیں پڑھا جاتا تا جماعت کو صحتِ تلفظ کی طرف توجہ دلائی تھی کہ اس طرح پڑھا جائے کیونکہ زیر زبر پیش کی بعض غلطیاں ہو جاتی تھیں کہ ان غلطیوں کی وجہ سے معنے بدل جاتے ہیں یا مفہوم واضح نہیں ہوتا، تو اس طرح آپ نے صحت تلفظ کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کے بعد جماعت میں اس طرف خاص توجہ پیدا ہوئی۔ لیکن اب اس بات کی ضرورت ہے کہ ترجمۂ قرآن کی طرف بھی توجہ دی جائے۔ ذیلی تنظیمیں بھی کام کریں جماعتی نظام بھی کام کرے یہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے انصار اللہ یو۔ کے نے شروع کیا ہے یہ انٹرنیٹ کے ذریعہ سے بھی پڑھا رہے ہیں اس سے استفادہ کرنا چاہئے ترجمہ آئے گا تو پھر ہی صحیح اندازہ ہو سکے گا کہ احکامات کیا ہیں؟ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ غور کرو تبھی غور کی عادت پڑے گی۔ عمل کرنے کی طرف توجہ پیدا ہوگی اور یہی تلاوت کا حق ہے۔

(تلاوت قرآن مجید کی اہمیت اور برکات صفحہ نمبر 39)

حضرت ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب رضی اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک شعر میں اس مضمون کو یوں قلمبند کیا ہے۔

مطلب نہ آئے جب تک کیونکر عمل ہے ممکن
بے ترجمے کے ہرگز اپنا نہیں گزارا

حضورِ انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے ماتحت آج دنیا کے مختلف ممالک میں بہت وسیع پیمانے پر قرآنِ کریم کو ترجمہ کے ساتھ سیکھنے اور سکھانے کا کام جاری ہے۔ ناصرات الاحمدیہ کا بھی فرض ہے کہ پیارے آقا کے ارشاد کی تعمیل میں ان کلاسز سے استفادہ کریں۔

ٹارگٹ:

- ترجمہ کے ساتھ تلاوتِ قرآن کریم
- معانی ومفہوم پہ غور کرنا
- قرآن کریم کا لفظی ترجمہ یاد کرنے کی کوشش

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن کریم کو سمجھنے اور اس کی تعلیمات پرعمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اعلان نکاح

مکرم منیر احمد جاوید پرائیویٹ سیکرٹری یہ اطلاع بھجواتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے مؤرخہ 20؍اگست 2022ء بعد نماز عصر مسجد مبارک اسلام آباد، یوکے میں درج ذیل نکاحوں کا اعلان فرما کر ان کے بابرکت ہونے کے لئے دعا کروائی۔

٭عزیزہ امۃ العلیم ہالہ بنت مکرم مرزا ہارون احمد صاحب (لاہور)
ہمراہ عزیزم سید اسماعیل احمد ابن مکرم سید مظفر احمد صاحب (سکنتھورپ۔ یوکے)

٭عزیزہ سیدہ صبیحہ بشارت (واقفہ نو) بنت مکرم ڈاکٹر سید بشارت احمد شاہ صاحب (جرمنی)
ہمراہ عزیزم شاہ زین منصور (واقف نو) ابن مکرم منصور احمد صاحب (بیلجئیم)

٭عزیزہ طاہرہ احمد بنت مکرم ساجد احمد صاحب (بریڈفورڈ۔ یوکے)
ہمراہ عزیزم انجم احمد احمدی ابن مکرم محمد اکرم احمدی صاحب (فارنہم۔ یوکے)

٭عزیزہ اقرا احمد (واقفہ نو) بنت مکرم وحید الزمان سعید صاحب مرحوم (جرمنی)
ہمراہ عزیزم یاسر احمد ابن مکرم منیر احمد صاحب (جرمنی)

٭عزیزہ عاصمہ چوہدری (واقفہ نو) بنت مکرم منیر ذوالفقار صاحب (ربوہ)
ہمراہ عزیزم ولید بن ریاست ابن مکرم ریاست احمد صاحب مرحوم (ربوہ)

٭عزیزہ خدیجہ ناہید بنت مکرم عارف حمید صاحب (مانچسٹر۔ یوکے)
ہمراہ عزیزم خالد احمد (واقف نو) ابن مکرم ناصر احمد صاحب (لندن)

ادارہ الفضل کی طرف سے تمام کو ڈھیروں مبارکباد پیش ہے

مرتبہ: ظہیر احمد خان۔ انچارج شعبہ ریکارڈ دفتر پی ایس لندن

بنیادی مسائل کے جوابات

قسط 29

سوال: مکرم انچارج صاحب بنگلہ ڈیسک نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ بنگلہ دیش میں قومی ہیروز کے مجسمے بنانے کا رجحان پیدا ہو رہا ہے۔ کیا اسلام میں کسی ہیرو کا مجسمہ بنانا جائز ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 13 دسمبر 2020ء میں اس سوال کے جواب میں درج ذیل ہدایات فرمائیں:

جواب: قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام سے قبل انبیاء کے ادوار میں نیک مقصد کیلئے تصاویر اور مجسمہ سازی کا کام کیا جاتا تھا جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق آتا ہے کہ ایک فرقہ جن ان کے حسب منشاء ان کیلئے مجسمے بناتے تھے۔ (سورۃ سبا:14) اسی طرح احادیث میں بھی آتا ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت سے قبل اہل کتاب کے پاس مختلف انبیاء کی تصاویر تھیں، جن میں آنحضور ﷺ کی تصویر بھی تھی۔ (التاریخ الکبیر موٴلفہ ابو عبداللہ اسماعیل بن ابراہیم الجعفی القسم الاوّل من الجزء الاوّل صفحہ 179) علاوہ ازیں بچوں کے کھیلنے کیلئے گڑیاں اور گڈے وغیرہ بھی ہوتے تھے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بچپن میں ان کے پاس بھی کھلونوں میں گڑیاں اور پروں والے گھوڑے تھے، جنہیں حضور ﷺ نے بھی دیکھا اور آپ نے ان کے بارہ میں کسی قسم کی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں فرمایا۔ (سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی اللعب بالبنات)

لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رکھنی بہت ضروری ہے کہ آنحضور ﷺ کے عہد مبارک میں چونکہ شرک اور بت پرستی اپنے انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، اس لئے حضور ﷺ نے ہر اس کام کو جس سے ہلکا سا بھی شرک اور بت پرستی کے طرف میلان ہو سکتا تھا، نہایت ناپسند فرمایا اور سختی سے اس کی حوصلہ شکنی فرمائی۔ چنانچہ گھر میں لٹکے ہوئے پردہ یا بیٹھنے والے گدیلے پر تصاویر دیکھ کر حضور ﷺ نے سخت ناگواری کا اظہار فرمایا اور انہیں اتارنے اور پھاڑنے کا ارشاد فرمایا۔ (صحیح بخاری کتاب الادب باب ما یجوز من الغضب والشدۃ لامر اللہ، کتاب بدء الخلق باب اذا قال احدکم آمین والملائکۃ فی السماء) اسی طرح حضور ﷺ نے اس زمانہ کے مطابق مصوری کے ذریعہ بنائی جانے والی تصاویر کی سختی سے ممانعت فرمائی اور مصوری کے کام کو ناجائز اور مورد عذاب قرار دیا۔

(بخاری کتاب البیوع باب بیع التصاویر التی لیس فیھا روح)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بطور حکم وعدل اپنے آقا ومطاع سیدنا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے نقش پا پر چلتے ہوئے حضور ﷺ کے نہایت پُرحکمت ارشاد اِنَّمَا الۡاَعۡمَالُ بِالنِّیَّاتِ کی روشنی میں اس مسئلہ کا یہ حل پیش فرمایا کہ جو کام کسی نیک مقصد کیلئے کیا جائے وہ جائز ہے لیکن وہی کام بغیر کسی نیک مقصد کے ناجائز ہوگا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے تبلیغ اور پیغام حق پہنچانے کی خاطر ایک طرف اپنی تصویر کی اشاعت کی اجازت دی، جس پر اس زمانہ کے نام نہاد ملاؤں نے اس نیک مقصد کی مخالفت کرتے ہوئے بُرے بُرے پیرایوں میں اسے بیان کیا اور اس کے خلاف دنیا کو بھڑکایا تو حضور علیہ السلام نے ان مخالفین کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ لوگ تصویر کو اتنا ہی بُرا سمجھتے ہیں تو پھر شاہی تصویر والا روپیہ اور دونیاں اور چونیاں اپنے گھروں اور جیبوں سے باہر کیوں نہیں پھینک دیتے اور اسی طرح اپنی آنکھیں بھی کیوں نکلوا نہیں دیتے کیونکہ ان میں بھی تو اشیاء کا انعکاس ہوتا ہے۔ تو دوسری طرف حضور علیہ السلام نے اسی کام کو کسی جائز مقصد کے بغیر کرنے پر نہایت ناپسند فرمایا اور اسے بدعت قرار دیتے ہوئے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اس مسئلہ کے ان دونوں پہلوؤں کو واضح کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا:

’’میں اس بات کا سخت مخالف ہوں کہ کوئی میری تصویر کھینچے اور اس کو بت پرستوں کی طرح اپنے پاس رکھے یا شائع کرے۔ میں نے ہرگز ایسا حکم نہیں دیا کہ کوئی ایسا کرے اور مجھ سے زیادہ بت پرستی اور تصویر پرستی کا کوئی دشمن نہیں ہوگا۔ لیکن میں نے دیکھا ہے کہ آجکل یورپ کے لوگ جس شخص کی تالیف کو دیکھنا چاہیں اوّل خواہشمند ہوتے ہیں کہ اُس کی تصویر دیکھیں کیونکہ یورپ کے ملک میں فراست کے علم کو بہت ترقی ہے۔ اور اکثر اُن کی محض تصویر کو دیکھ کر شناخت کر سکتے ہیں کہ ایسا مدعی صادق ہے یا کاذب۔ اور وہ لوگ بباعث ہزارہا کوس کے فاصلہ کے مجھ تک نہیں پہنچ سکتے اور نہ میرا چہرہ دیکھ سکتے ہیں لہٰذا اُس ملک کے اہل فراست بذریعہ تصویر میرے اندرونی حالات میں غور کرتے ہیں۔ کئی ایسے لوگ ہیں جو انہوں نے یورپ یا امریکہ سے میری طرف چٹھیاں لکھی ہیں اور اپنی چٹھیوں میں تحریر کیا ہے کہ ہم نے آپ کی تصویر کو غور سے دیکھا اور علم فراست کے ذریعہ سے ہمیں ماننا پڑا کہ جس کی یہ تصویر ہے وہ کاذب نہیں ہے۔‘‘

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 366-365)

اسی طرح فرمایا:

’’وَاِنَّمَا الۡاَعۡمَالُ بِالنِّیَّاتِ اور میرا مذہب یہ نہیں ہے کہ تصویر کی حرمت قطعی ہے۔ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ فرقہ جنّ حضرت سلیمان کیلئے تصویریں بناتے تھے اور بنی اسرائیل کے پاس مدّت تک انبیاء کی تصویریں رہیں جن میں آنحضرت ﷺ کی بھی تصویر تھی اور آنحضرت ﷺ کو حضرت عائشہؓ کی تصویر ایک پارچہ ریشمی پر جبرائیل علیہ السلام نے دکھلائی تھی۔‘‘

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 365)

آپ مزید فرماتے ہیں:

’’افسوس کہ یہ لوگ ناحق خلاف معقول باتیں کر کے مخالفوں کو اسلام پر ہنسی کا موقعہ دیتے ہیں۔ اسلام نے تمام لغو کام اور ایسے کام جو شرک کے موید ہیں حرام کئے ہیں نہ ایسے کام جو انسانی علم کو ترقی دیتے اور امراض کی شناخت کا ذریعہ ٹھیرتے اور اہل فراست کو ہدایت سے قریب کر دیتے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ میں ہرگز پسند نہیں کرتا کہ میری جماعت کے لوگ بغیر ایسی ضرورت کے جو کہ مُضطر کرتی ہے وہ میرے فوٹو کو عام طور پر شائع کرنا اپنا کسب اور پیشہ بنالیں۔ کیونکہ اسی طرح رفتہ رفتہ بدعات پیدا ہو جاتی ہیں اور شرک تک پہنچتی ہیں اس لئے میں اپنی جماعت کو اس جگہ بھی نصیحت کرتا ہوں کہ جہاں تک اُن کیلئے ممکن ہو ایسے کاموں سے دست کش رہیں۔ بعض صاحبوں کے میں نے کارڈ دیکھے ہیں اور ان کی پشت کے کنارہ پر اپنی تصویر دیکھی ہے۔ میں ایسی اشاعت کا سخت مخالف ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ کوئی شخص ہماری جماعت میں سے ایسے کام کا مرتکب ہو۔ ایک صحیح اور مفید غرض کیلئے کام کرنا اَور امر ہے اور ہندوؤں کی طرح جو اپنے بزرگوں کی تصویریں جابجا در و دیوار پر نصب کرتے ہیں یہ اَور بات ہے۔ ہمیشہ دیکھا گیا ہے کہ ایسے لغو کام منجر بشرک ہو جاتے ہیں اور بڑی بڑی خرابیاں ان سے پیدا ہوتی ہیں۔‘‘

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 367)

پس بنگلہ دیش میں بنائے جانے والے یہ مجسمے اگر کسی نیک مقصد کیلئے بنائے جا رہے ہیں جس سے علمی یا روحانی ترقی مقصود ہے تو پھر ان کے بنانے میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر صرف نمود و نمائش اور دکھاوے کیلئے بنائے جا رہے ہیں تو غلط اور ناجائز کام ہے۔

سوال: ایک دوست نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ حضور ﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے حضرت علیؓ کے متعلق دریافت فرمایا کہ تمہارے چچا کا بیٹا کہاں ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ نے حضرت عباسؓ اور حضرت ابو طالب کیلئے بھی چچا کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور حضرت علیؓ نے حضرت خدیجہؓ کیلئے چچی کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اس لفظ کی کچھ وضاحت فرما دیں۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 13 دسمبر 2020ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا:

جواب: ہر معاشرہ کے کچھ رسم و رواج اور روزمرہ زندگی میں استعمال ہونے والے محاورے ہوتے ہیں، جو اسی معاشرہ کو سامنے رکھ کر سمجھے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ بعض خاندانوں میں والد کا کسی شخص سے جو رشتہ ہوتا ہے خاندانی رسم و رواج یا محاورہ کے تحت وہی رشتہ اولاد کیلئے بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ حضرت علیؓ چونکہ حضور ﷺ کے چچا کے بیٹے تھے، لہٰذا اسی معاشرتی رواج کے تحت حضور ﷺ نے اپنی بیٹی سے دریافت کیا کہ تمہارے چچا کا بیٹا کہاں ہے۔

پھر عرب میں یَا ابۡنَ عَمِّ اور یَا ابۡنَ اَخِیۡ یعنی اے میرے چچا کے بیٹے! اور اے میرے بھتیجے! وغیرہ الفاظ کے استعمال کا عام عام رواج تھا اور اب تک ہے۔ چنانچہ بڑی عمر کا شخص اپنے سے چھوٹی عمر کے شخص کو مخاطب کرنے کیلئے یَا ابۡنَ اَخِیۡ یعنی اے میرے بھتیجے! کے الفاظ استعمال کرتا ہے اور اسی طرح بیوی اپنے خاوند کا نام لینے کی بجائے یَا ابۡنَ عَمِّیۡعنی اے میرے چچا کے بیٹے! کے الفاظ استعمال کرتی ہے۔

جہاں تک حضرت علیؓ کے حضرت خدیجہؓ کیلئے چچی کے الفاظ استعمال کرنے کا تعلق ہے تو عربی میں پھوپھی اور چچی دونوں کیلئے عمتی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ لگتا ہے آپ نے کسی جگہ عمتی کا لفظ پڑھ کر اس کا ترجمہ چچی سمجھ لیا ہے جبکہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت علیؓ کے حوالہ سے اس لفظ کا ترجمہ پھوپھی بنے گا۔ کیونکہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابوطالبؓ کا نسب پانچویں درجہ پر قصی بن کلاب پر آپس میں ملتا ہے اور اس لحاظ سے حضرت خدیجہؓ رشتہ میں حضرت علیؓ کی پھوپھی لگتی تھیں۔

سوال: ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں خط لکھا کہ بعض دوستوں کی طرف سے اس کے کزن کی وفات پر نامناسب رویہ کا اظہار کیا گیا ہے، جس پر اسے شدید دکھ ہے۔ نیز اس دوست نے حضور انور سے دریافت کیا کہ کیا اسلام کی مخالفت پر فوت ہونے والے کسی عزیز کیلئے دعا کرنے سے قرآن کریم ہمیں منع فرماتا

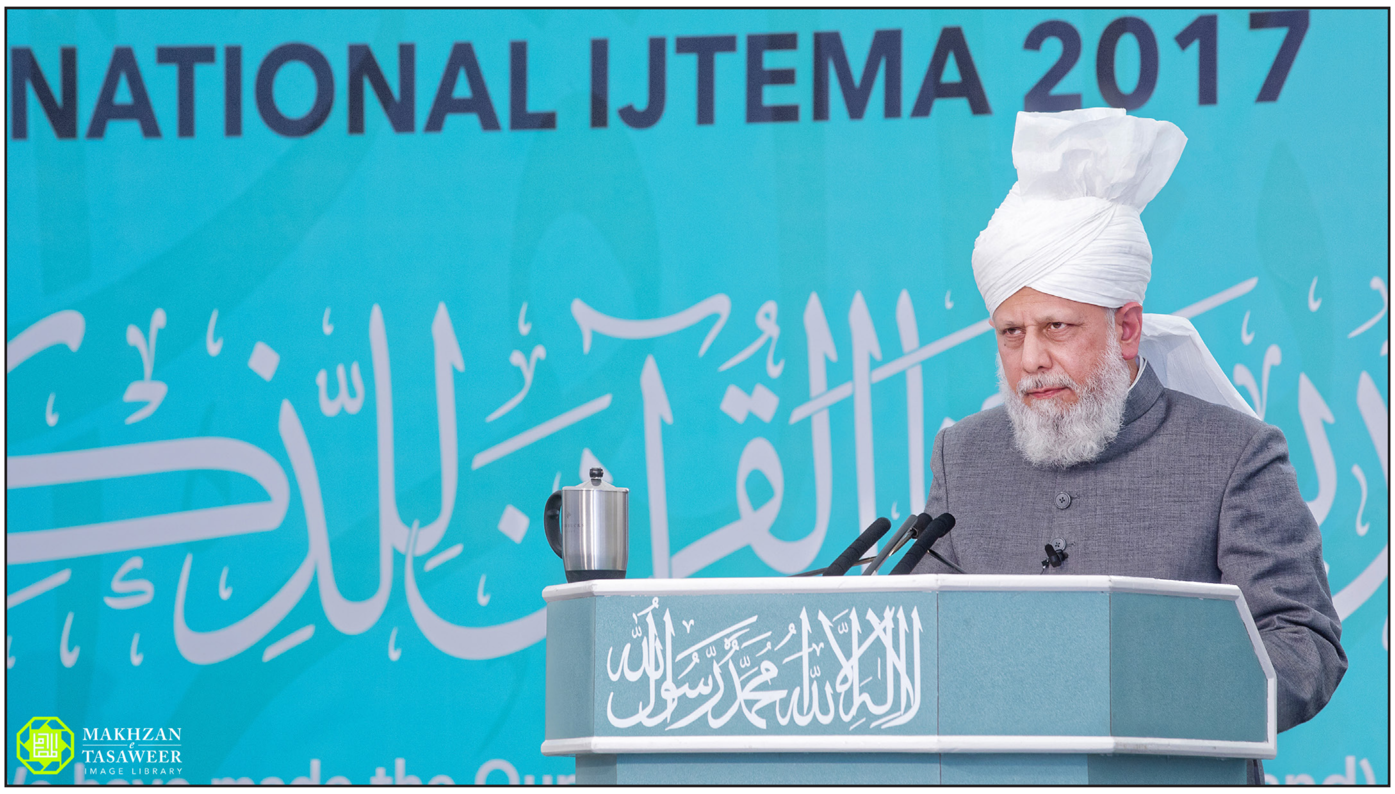

ہے؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 13 دسمبر 2020ء میں اس بارہ میں درج ذیل راہنمائی فرمائی:

جواب: آپ کے کزن کی وفات پر اگر کسی احمدی نے کسی نامناسب رویہ کا اظہار کیا ہے تو یقیناً اس احمدی نے غلط کیا ہے۔ ہر انسان کی وفات کے بعد اس کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہو جاتا ہے، وہ جو چاہے اس کے ساتھ سلوک کرے کسی دوسرے شخص کو اس بارہ میں کوئی رائے قائم کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’ہر ایک شخص کا خدا تعالیٰ سے الگ الگ حساب ہے۔ سو ہر ایک کو اپنے اعمال کی اصلاح اور جانچ پڑتال کرنی چاہئیے۔ دوسروں کی موت تمہارے واسطے عبرت اور ٹھوکر سے بچنے کا باعث ہونی چاہئیے نہ کہ تم ہنسی ٹھٹھے میں بسر کرکے اور بھی خدا تعالیٰ سے غافل ہو جاؤ۔‘‘

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 217)

باقی جیسا کہ آپ نے عابد خان صاحب کی ڈائری کے حوالہ سے اپنے خط میں لکھا ہے، میرا جواب تو آپ نے پڑھ ہی لیا ہے کہ ہم اسے کسی قسم کا کوئی خدائی نشان قرار نہیں دے سکتے کیونکہ آپ کے کزن کا نہ تو جماعت احمدیہ کے ساتھ کوئی مقابلہ چل رہا تھا اور نہ ہی اس نے جماعت کو کوئی ایسا چیلنج دیا تھا جسے مقابلہ سمجھا جائے۔

اسلام کسی انسان سے نفرت نہیں سکھاتا بلکہ اس کے فعل سے ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں حضرت لوط علیہ السلام اپنے مخالفین کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں کہ میں تمہارے عمل کو نفرت سے دیکھتا ہوں۔ (الشعراء:169) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ہدایت فرمائی کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے استہزاء ہوتا سنو تو ان ہنسی کرنے والوں کے ساتھ اس وقت نہ بیٹھو۔ (سورۃ النساء:141) گویا انسانوں سے نفرت نہیں بلکہ ان کے عمل سے بیزاری کے اظہار کی تعلیم دی گئی ہے۔

پس اسلام کی تعلیم ہر معاملہ میں مکمل اور نہایت خوبصورت ہے۔ اسلام تو سخت ترین معاند کی موت پر بھی خوش ہونے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ اس کی موت پر بھی ایک سچے مومن کو اس لئے دکھ ہوتا ہے کہ کاش یہ شخص ہدایت پا جاتا۔ احمدیت کے سخت ترین دشمن اور ہمارے آقا و مطاع سیدنا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اطہر کے بارہ میں بد زبانی کرنے والے معاند اسلام پنڈت لیکھرام کی الٰہی پیشگوئیوں کے مطابق جب ہلاکت ہوئی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی ہلاکت پر بھی اس کی قوم کے لوگوں سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے فرمایا:

’’ایک انسان کی جان جانے سے تو ہم درد مند ہیں اور خدا کی ایک پیشگوئی پوری ہونے سے ہم خوش بھی ہیں۔ کیوں خوش ہیں؟ صرف قوموں کی بھلائی کیلئے۔ کاش وہ سوچیں اور سمجھیں کہ اس اعلیٰ درجہ کی صفائی کے ساتھ کئی برس پہلے خبر دینا یہ انسان کا کام نہیں ہے۔ ہمارے دل کی اس وقت عجیب حالت ہے۔ درد بھی ہے اور خوشی بھی۔ درد اس لئے کہ اگر لیکھرام رجوع کرتا زیادہ نہیں تو اتنا ہی کرتا کہ وہ بدزبانیوں سے باز آجاتا تو مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ میں اس کیلئے دعا کرتا۔ اور میں امید رکھتا تھا کہ اگر وہ ٹکڑے ٹکڑے بھی کیا جاتا تب بھی زندہ ہو جاتا۔‘‘

(سراج منیر، روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 28)

باقی جہاں تک اسلام کی مخالفت پر مرنے والے کسی شخص کیلئے دعا کرنے کی بات ہے تو اسلام نے صرف مشرک جو خدا تعالیٰ سے کھلی کھلی دشمنی کا اظہار کرے، اس کیلئے دعائے مغفرت کرنے سے منع فرمایا ہے باقی کسی کیلئے دعا کرنے سے نہیں روکا۔

(التوبۃ:114)

سوال: ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ میں نے اپنے بیٹے کے ساتھ اپنے چھوٹے بھائی کو بھی تیس سال پہلے دودھ پلایا تھا۔ اب میرے بڑے بھائی کے بیٹے کے ساتھ میری بیٹی کا رشتہ تجویز ہوا ہے۔ کیا یہ رشتہ ہو سکتا ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 14 دسمبر 2020ء میں درج ذیل ارشاد فرمایا:

جواب: رضاعت کے بارہ میں آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو رشتے نصب کی بناء پر حرام ہیں اگر رضاعت کی بناء پر قائم ہو جائیں تو رضاعت کی وجہ سے ان رشتوں کی بھی حرمت قائم ہو جاتی ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الشہادات) لیکن شرط یہ ہے کہ بچہ نے اپنی دودھ پینے کی عمر میں پانچ مرتبہ سیر ہو کر دودھ پیا ہو۔

(صحیح مسلم کتاب الرضاع)

اس کے ساتھ یہ بات بھی مدنظر رکھنی ضروری ہے کہ رضاعت کی حرمت صرف دودھ پینے والے بچہ اور آگے اس کی نسل کے ساتھ قائم ہوتی ہے، اس دودھ پینے والے بچہ کے دوسرے بہن بھائیوں پر اس رضاعت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ پس اس لحاظ سے آپ کی بیٹی کا رشتہ آپ کے اُس بھائی کے بیٹے سے جس نے آپ کا دودھ نہیں پیا ہوا، ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

اللہ تعالیٰ دونوں خاندانوں کیلئے یہ رشتہ بہت مبارک فرمائے، بچوں کی طرف سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی رکھے اور ہمیشہ آپ کو اپنے فضلوں سے نوازتا رہے۔ آمین

سوال: ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں استفسار کیا کہ میں نے سنا ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ پہلا سپاہی جس نے قسطنطنیہ میں قدم رکھا جنت میں جائے گا، کیا یہ درست ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 14 دسمبر 2020ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا:

جواب: اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کو امن و آشتی اور پیار محبت کی تعلیم کے ساتھ دنیا میں مبعوث فرمایا۔ لیکن جب مخالفین اسلام اپنی مخالفت میں حد سے گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھی جواباً جہاد کی اجازت دی۔ (الحج:40) جس کے تحت مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کی بدولت جہاں مسلمانوں پر حملہ کرنے والوں کو منہ توڑ جواب دیا وہاں مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے اذن سے ایسے علاقوں اور ممالک پر بھی چڑھائی کی جن میں مسلمانوں کی پُر امن جماعت کو ملیامیٹ کرنے کیلئے سازشیں تیار کی جاتیں اور دوسرے قبائل اور علاقوں کو مسلمانوں کے خلاف اکسایا جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر آنحضور ﷺ نے ظلم و بربریت کے خلاف لڑی جانے والی ان جنگوں میں مسلمانوں کی فتح و ظفر کے ساتھ کامیابیوں کی کئی پیشگوئیاں فرمائیں ہیں۔ ان میں سے ایک پیشگوئی یہ بھی تھی کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ (اس زمانہ کی دو بڑی طاقتوں قیصر اور کسریٰ میں سے) قیصر (کی عیسائی حکومت) کے شہر کے خلاف میری امت کے جو لوگ جنگ کیلئے نکلیں گے وہ جنتی ہوں گے۔

(بخاری کتاب الجہاد و السیر)

اسی طرح ایک اور جگہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قسطنطنیہ کو فتح کرنے والا لشکر اور اس کا امیر کیا ہی اچھا لشکر اور کیا ہی اچھا امیر ہو گا۔

(مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر 18189)

ان دونوں احادیث میں مذکورہ پیشگوئی بھی آنحضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء ہونے والی دیگر الٰہی پیش خبریوں کی طرح اپنے وقت پر پوری شان کے ساتھ پوری ہوئی۔

دعا کا تحفہ

نیک بیوی اور اولاد کے حصول اور ان کے لئے اچھا نمونہ بننے کی دعا

عباد الرحمٰن کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے قرآن شریف میں ذکر ہے کہ وہ یہ دعائیں کرتے ہیں:

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۵﴾ (الفرقان: 75)

اے ہمارے رب! ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقیوں کا پیشرو بنا۔

(قرآنی دعائیں از خزینۃ الدعا مرتبہ علامہ ایچ ایم طارق ایڈیشن 2014ء صفحہ 35-36)

مرسلہ: عائشہ چوہدری۔ جرمنی

ہما مبشر۔ امریکہ

یاد رفتگان

میری امی سیدہ خاتون مرحومہ

میری امی جان سیدہ خاتون اہلیہ عبدالحمید جنجوعہ بھائی محمود ؓ صحابی حضرت مسیح موعودؑ کی بیٹی تھیں۔ آپ 1928ء میں قادیان کی مبارک بستی میں پیدا ہوئیں اور ابتدائی تعلیم وہیں سے حاصل کی۔ بھائی محمود کی دس اولادوں میں آپ کا نمبر چھٹا ہے۔ مضمون ہذا میں خاکسار اپنی امی جان کا ذکر خیر کرنا چاہے گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کے درجات بلند فرماتا چلا جائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور آپ کی ذاتی خوبیاں و اوصاف آپ کی نسلوں میں جاری رکھے۔ آمین

کچھ لوگ بظاہر بہت سادہ دکھنے والے اور عام لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے والے ولیوں جیسا مزاج رکھتے ہیں۔ میری امی جان بھی ایسی ہی ایک شاندار خاتون تھیں۔ علم سے بے انتہا محبت کرنے والی اور علم بانٹنے والی۔ علم حاصل تو بہت سے کر لیتے ہیں لیکن علم بانٹنے کا ظرف بہت کم لوگوں میں ہوتا ہے۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا امی جان کو تعلیم دیتے ہی دیکھا۔ چاہے قرآن کی تعلیم ہو یا پھر حساب اردو یا عربی۔ ایک طالب علم جاتا تو دوسرا آجاتا اور یہ سلسلہ صرف رسمی تعلیم تک محدود نہیں تھا امی جان فطری طور پر ایک استاد تھیں۔ انکی ہر بات میں اور ہر عمل میں ایک سبق ہوتا تھا۔ ہر بچے کی نفسیات کو سمجھتے ہوئے اسکو کسی نہ کسی ذریعے سے کچھ نہ کچھ سکھاتی رہتیں۔ پھر چاہے وہ مزے کے قصے ہوں یا، کسی شعر یا نظم کا پس منظر، ایسے تفصیل سے اور اس دلچسپ انداز میں بیان کرتیں کہ ہمارے لیے اگلے قصے کا انتظار مشکل ہو جاتا۔ مجھے نہیں یاد کہ میں نے اپنی امی جان کے منہ سے کبھی کوئی غیر فطری کہانی یا جنوں پریوں کا کوئی قصہ سنا ہو حضرت آدم علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے ہجرت تک کے واقعات سنتے میرا بچپن گزرا۔ جب اردو پڑھنا سیکھا تب مجھے انبیاء علیہ السلام کی کہانیوں کی کتابیں لادی گئیں۔ امی جان ہمیشہ کہا کرتی تھیں کہ کبھی بھی بچوں کو بھوتوں اور چڑیلوں سے نہیں ڈرانا چاہئے۔ جیسا کے والدین اکثر بچوں کو کسی کام سے روکنے کے لیے کرتے ہیں۔ مجھے بھی ہمیشہ دلیل دے کر سمجھایا کرتیں کہ گناہ سے کبھی نتائج بتاتے ہوئے کہ ایسا کروگے تو ایسا ہو جائے گا۔ پھر اولیائے کرام کے سبق آموز واقعات۔ امی جان کی مزاح کی حس اتنی بہترین تھی اور حاضر جوابی ایسی کے انکی صحبت میں کوئی چھوٹا بڑا بور نہیں ہوسکتا تھا۔ 1947 تقسیم ہند کے سفر کا رونگٹے کھڑے کر دینے والا قصہ ایسے ہلکے پھلکے انداز میں سناتی تھیں کے لگتا ہی نہیں تھا کہ جیسے خوف اور بے یقینی سے ہجرت کرکے زندہ سلامت پاکستان پہنچے تھے۔ عمر ہی کیا تھی 18 سال کی ایک بے انتہا خوبصورت اور نازک لڑکی جسکی شادی کو کچھ ماہ ہی گزرے تھے اور شدید گرمی اور خوف کا سفر، سوچ کر ہی جھرجھری آجاتی ہے کہ کس طرح بھوکے پیاسے دونوں نے گزارا ہوگا۔ کچھ گھنٹوں کا سفر دو دنوں میں طے کیا اور اوپر سے پہلے بچے کی آمد آمد تھی۔ اب سوچتی ہوں شاید اسی مشکل سفر کے برے نتائج کیوجہ سے امی جان کی پہلی بیٹی زندہ پیدا نہ ہوئی۔ پھر یکے بعد دیگرے بچوں کی پیدائش کا سلسلہ چل نکلا۔

امی جان کو تعلیم کے ادھورے رہ جانے کا بڑا دکھ تھا۔ حالانکہ میٹرک کے امتحان میں پورے ضلع میں اوّل آئی تھیں۔ لیکن اس وقت کے رواج کے مطابق والدین نے جلدی شادی کا فیصلہ کیا تو میری امی جان نے سر جھکا دیا۔ تعلیم کے ساتھ امی جان اپنی غیر نصابی سرگرمیوں کو بھی بہت محبت اور حسرت سے یاد کیا کرتیں۔ جن میں بیڈمنٹن اور میرو ڈبا ان کے من پسند کھیل تھے۔ ہمارے ابو جان کی ریلوے کی ملازمت کی وجہ سے بہت سفر کیے لیکن جب بچوں کی تعلیم کا آغاز ہوا تو امی جان نے ایک جگہ رہنے کو ترجیح دی۔ اور بچوں کی تعلیم و تربیت کے ساتھ امی جان کو اپنی تعلیم مکمل کرنے کا موقع بھی مل گیا۔ پہلے ایف اے اور پھر بی اے کا پرائیویٹ امتحان دیا۔ یہ تعلیم کی لگن ہی تھی جس نے اوپر تلے کے سات بچوں کا خیال رکھتے ہوئے بھی ہمت دی کہ امتیازی نمبروں سے امتحان پاس کیا۔ اسکے بعد سے اپنے سارے شوق اور خواہشات کو اولاد سے منسوب کر لیا۔ ابو جان کی محدود تنخواہ اور اتنے بچوں کا ساتھ، ساری توجہ گھر کو آسودہ بنانے اور بچوں کی تعلیم و تربیت پر مرکوز کر دی۔ اس دوران چھوٹے موٹے کام گھر بیٹھے بھی کر لیا کرتیں جس سے کچھ اضافی آمدن ہو جاتی جیسے رضائیاں تگندنا (ڈورے ڈالنا) وغیرہ۔ ہمت سے کچھ ہی سالوں میں بچت کر کے اپنا مکان بھی خرید لیا۔ اور اس پر یہ کہ سب بچوں کی تعلیم پر کوئی سمجھوتا نہیں کیا بلکہ پانچویں جماعت تک خود پڑھایا اور پھر پانچویں کے بورڈ کے امتحان میں بٹھادیا اور امی جان کے گھر میں قرآن مجید کی تعلیم تو اسکول شروع ہونے سے پہلے مکمل کرنے کا رواج تھا۔ کہا کرتی تھیں کہ اس سے ہر کام میں برکت پڑتی اور بچے کی بنیاد اچھی رہتی ہے۔ خود بھی باقاعدگی سے قرآن کی تلاوت کرتیں، ہر جمعہ کے دن سورت کہف کی تلاوت کا اہتمام کیا کرتیں۔ حافظ نہیں تھیں مگر بہت سارا قرآن یاد تھا اور کبھی جو بچوں کی تلاوت میں کوئی غلطی ہوتی تو صحن میں کپڑے دھوتے اور سکھاتے ہوئے غلطی کی تصحیح کردیا کرتیں۔ سر شام ہی امی جان کے گھر کے صحن میں ایک بڑا سا تخت پوش سب قرآن پڑھنے والے بچوں سے سج جاتا۔ اور سب باری باری ایک یا دو رکوع پڑھتے۔ میری اس حوالے سے بہترین یاد بغیر غلطی کے سارا سبق سنانا اور پھر انعام کے طور پر امی جان سے میری پسندیدہ آٹے کی پنجیری کا ملنا ہے۔ اس سادہ سی پنجیری سے بڑا انعام مجھے آج تک کوئی نہیں ملا۔

اولاد کی تعلیم کے لیے انکی لگن کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ امتحانات کے نتائج کے وقت انکی دعائیں اور فکر اس قدر ہوتی کہ خواب میں چوہدری ظفر اللہ خان (پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ اور عالمی عدالت کے جج) جیسی کامیاب ہستی کو دیکھتی اور ظفر کے معنی چونکہ کامیابی کے ہیں تو اکثر اوقات بچوں کا نتیجہ بھی خواب کے عین مطابق اعلیٰ کامیابی کی صورت میں نکلتا۔

میرے ہوش سنبھالنے تک ابو جان اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ کس ہمت سے امی جان نے حالات کا سامنا کیا۔ ابو جان کی زندگی میں صرف تین بیٹیوں کا ہی فرض ادا ہوا تھا۔ انکے بھی رشتوں کے فیصلے اور شادی کے انتظامات محدود آمدن میں انتہائی خوش اسلوبی سے انجام پاجانا امی جان کا ہی کمال تھا۔ اسکے ساتھ ساتھ سب بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوانے کے لیے لاہور بھی بھجوایا کہ بی اے کے بعد اس زمانے میں کچھ مضامین کو چھوڑ کے ایم اے کرنے کی سہولت وہاں موجود نہ تھی۔ تعلیمی اداروں کی فیس کے ساتھ ساتھ کتابوں اور ہوسٹل کے اخراجات بھی تھے اسکے باوجود گھر میں کبھی کسی چیز کی کمی نہیں آئی۔ ہر دنیا کی نعمت موجود رہتی۔ اس برکت کا سبب بھی میری امی جان کا سگھڑاپن اور دن رات کی محنت تھی۔ شکر پارے، چینی چڑھے بھنے ہوئے چنے، مونگ پھلی اور گڑ کی پت، سوجی کی مٹھائی اور بوندی کے لڈو گھر میں آنے والے مہمانوں کے لیے موجود رہتے۔ زیادہ تر گھر میں ہی سب تیار کیا جاتا۔ کنوؤں کے موسم میں سکوائش بنانا ایک تہوار کے جیسا ہوتا۔ کیونکہ میری امی جان کی تین بہنیں اسی شہر میں رہتی تھیں اور دو کا گھر تو اسی گلی میں تھا بلکہ ایک کا ساتھ جڑا ہوا اور دوسری کا گلی کے اس پار، دروازے کھلے ہی رہتے اور سب کام مل جل کر ہی کیے جاتے۔ کنوؤں کا جوس نکالنے کے لیے کمرشل جوسر باری باری سب کے گھروں میں جاتا اور تیار ہونے کے بعد بوتلوں کے منہ کو کارک سے بند کیا جاتا۔ تمام گرمی سکوائش اور لیموں کی سکنجبین کے علاوہ لسی اور ستو کا شربت ہی بنتا اور مہمانوں کو بھی یہی پیش کیا جاتا۔ بازار کے مشروبات کا رواج تو بہت بعد میں ہوا۔ تب بھی ہماری امی جان گھر کی بنی چیز کو ہی پسند کرتیں۔ کھانے میں بھی سادہ غذا پسند کرتیں۔ بہت زیادہ گوشت کی شوقین نہ تھیں لیکن پلاؤ خوش ہو کر کھاتیں، کسی بھی سبزی کے ساتھ پکوڑیاں دہی میں ڈال دیں تو میری سادہ ماں کی خوشی دیدنی ہوتی۔ پکوڑے ویسے بھی کافی پسند تھے۔ بہت لمبے عرصے تک تو مجھ کو یہ پتہ بھی نہیں چلا کہ امی جان کی پسندیدہ چیز آخر ہے کیا کیونکہ ہر دسترخوان پر بسم اللہ کے بعد رزق کی اہمیت اور بہت سے محروم لوگوں کا تذکرہ اس نصیحت کے ساتھ ہوتا کہ جو پکا ہے شکر کرکے کھانا ہے اور رزق کی بے ادبی اور اس کو ضائع کبھی نہیں کرنا۔ یہ سب صرف کہتی نہیں تھیں بلکہ عملی طور پر کر کے دکھایا کرتیں۔

رزق کے علاوہ پانی اور بجلی کے ضیاع پر بھی سخت نالاں ہوتیں۔ گھر میں ہمیشہ زائد بتیوں کے سوئچ بند کرتی رہتیں۔ پانی کی ٹونٹی کبھی لیک کر جاتی تب بھی ایک بوند پانی ضائع نہ ہونے دیتی، چھوٹی موٹی مرمت خود ہی کر لیا کرتیں۔ میں نے امی جان کو ہمیشہ کام میں مصروف پایا۔ کبھی سیمنٹ گھولے فرش یا دیوار کا کوئی کونا ٹھیک کر رہی ہوتی تو کبھی دیوار پر چونا پھیر کر داغ دھبوں کی صفائی۔ کبھی دروازوں کے قبضوں کو تیل دیتیں کے چوں چوں کی آواز سے وحشت ہوتی۔ گھر کی صفائی سے جسمانی صفائی تک ہر چیز کا خیال رہتا۔ بچپن کی ایک یاد میں گھر میں موجود نیم کے پیڑ کی مسواک کا اہتمام بھی ہے۔ ہفتہ میں ایک دن شاید جمعہ کے دن مسواک اور پھر غسل کی سنت پر عمل کیا جاتا۔

یوں تو میری ماں کی شخصیت ڈھیروں صفات کا مجموعہ تھی لیکن انکے رشتے داروں اور ہمسایوں سے حسن سلوک پر میں ایک کتاب لکھ سکتی ہوں۔ رشتے نبھانا، انکی قدر کرنا اور انکا مان رکھنا میں نے امی جان سے سیکھا۔ اس ضمن میں ایک واقعہ جو میرے دل و دماغ پر نقش ہے وہ یہ کہ جیسا کہ میں نے بتایا امی جان کی بہنیں اور انکی اولادیں بھی ساتھ ساتھ گھروں میں رہتی تھیں تو اختلاف رائے یا غلط فہمی کا پیدا ہونا ناگزیر تھا۔ ایسے ہی کسی غلط فہمی کی بنیاد پر کسی رشتہ دار نے ناراضگی سے بھرپور ایک طویل خط لکھ کر امی جان کو بھیج دیا۔ ان دنوں وہ لاہور اپنے چھوٹے بیٹے کے ہاں مقیم تھیں۔ خطوط نویسی ان دنوں تک بھی ہمارے گھروں میں رابطے کا اہم ذریعہ تھی

حالانکہ فون وغیرہ بھی موجود تھے۔ وہ خط ڈاکیے سے میں نے ہی موصول کیا اور خوشی سے جا کر امی جان کو دیا۔ خط پڑھتے ہی خاموش سی ہو گئی پھر مجھے تاکید کی کہ کسی سے ذکر مت کرنا۔ پھر اگلے ہی روز جواب لکھنے بیٹھ گئیں اور جواب میں بس ایک شعر لکھ بھیجا۔

خامشی سے وقت کے دھارے پہ خود کو ڈال
دوں، سامنے میرے کوئی اس کے سوا رستہ نہیں
چھوٹی چھوٹی رنجشیں اپنی جگہ پر شکر ہے،
نفرتوں کی آگ سے سینہ کبھی جلتا نہیں۔

اس کے کچھ عرصے کے بعد واپس گھر گئیں اور جب ان رشتہ دار سے ملاقات ہوئی تو ایسے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ وہ بھی ویسے ہی پیار سے ملیں۔ تب سے لے کر اب تک رشتوں کا لحاظ، ادب اور انکو نبھانے میں عاجزی اور خلوص۔ یہ سب میں نے اپنی پیاری ماں کو کرتے دیکھا۔ میں نے کبھی انکے منہ سے کسی کی برائی نہیں سنی۔ اگر کبھی کسی کی زیادتی کی شکایت کر دیتے تو کہتیں کہ دیکھو یہ (گنوا کر) صفت بھی تو ہے۔ ہمیشہ صفتوں پر نظر رکھا کرو۔ جھک جاؤ پر رشتہ بچا لو۔ بیٹے بیٹیاں، داماد، بہوئیں، نواسے نواسیاں اور پھر پڑنواسے پڑنواسیاں، سب کے ساتھ پیار محبت کا تعلق اپنی نوعیت کا تھا۔ داماوں سے ادب لحاظ، بچوں سے بے حد محبت، لیکن آداب و اخلاق پر کوئی سمجھوتا نہیں کرتی تھیں۔ اسکے علاوہ امی جان آٹھ بہنیں اور دو بھائی تھے۔ بہن بھائیوں کے ساتھ ساتھ انکی اولادوں سے بے انتہا کی محبت اور دور دراز کے ممالک میں رہنے کے باوجود وہ سب بھی گاہے بگاہے فون یا خط کے ذریعے سے رابطے میں رہتے۔ اپنے دونوں بھائیوں سے امی جان کو عشق کی حد تک محبت تھی۔ اور جس طرح سے انکا ذکر گھر میں ہوتا انکی عادات، پسند ناپسند اور ہر چھوٹا بڑا قصہ دہرایا جاتا ہمارے دلوں میں بھی بعض سے تو ملے بغیر ہی عقیدت اور احترام کا تعلق قائم ہو گیا۔

سسرالی رشتہ داروں کے ساتھ بھی میں نے امی جان کے مثالی تعلقات ہی دیکھے۔ ابو جان کے بھائیوں اور انکی اولادوں کا ذکر بہت پیار سے کرتیں۔ ایک بھائی راولپنڈی میں مقیم تھے تو جب بھی آنا ہوتا ضرور چچی جان سے ملاقات پر اصرار کیا کرتیں۔ دوسرے بھائی کی رہائش ذرا دور کوئٹہ میں تھی مگر تائی جی خود باقاعدہ چکر لگا لیا کرتیں۔ انکی وفات کے بعد بھی اولادوں سے پیار محبت کا تعلق قائم رکھا۔

رشتہ داروں کے ساتھ ساتھ میری امی جان نے ہمسائیگی کے حقوق بھی دل و جان سے ادا کیے۔ محلہ میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جن سے دعا سلام اور خیر سگالی والا ناطہ نہ ہو۔ میری پیدائش سے پہلے کی بات ہے کہ گلی میں کسی معزز گھرانے کے ہاں سے انکی ایک پوتی پڑھنے کے لئے امی جان کے گھر آیا کرتی تھیں۔ وہ افریقی نسل سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس کے والد صاحب کسی کام کی غرض سے کچھ عرصہ افریقہ مقیم رہے اور وہاں شادی بھی کر لی۔ کام ختم ہونے پر خاموشی سے بیوی کو طلاق لکھ کر اور چھوٹی سی بیٹی کو ساتھ پاکستان لے آئے۔ بدقسمتی سے گھر والوں کا سلوک اس بچی کے ساتھ زیادہ اچھا نہ تھا۔ کچھ رنگ و نسل کی وجہ سے وہ بچی بھی شاید اسکول جانے سے جھجک محسوس کرتی ہو۔ بہر حال امی جان نے اسکی تعلیم کی ذمہ داری اٹھائی اور دسویں کے امتحان کی تیاری کروائی۔ مجھے یہ بات شائد معلوم بھی نہ پڑتی اگر امی جان کی وفات کے بعد ان خاتون کا فون نہ آتا۔ جانے کہاں سے نمبر حاصل کیا کہ مجھے اطلاع ملی تو رہ نہیں سکی کہ مجھے کس نے پڑھانا تھا اگر خالہ جی نہ ہوتیں۔ ہائے! میری علم و ہنر بانٹنے والی ماں، اللہ آپکے درجات بلند فرمائے۔

میری امی جان کی ڈھیروں پیاری عادات میں سے ایک نمایاں عادت انکی بے انتہا کی خودداری بھی تھی۔ انکی زندگی میں خاص کر آخری دنوں میں تو میں چڑ جایا کرتی تھی کہ ساری عمر سب کے لیے قربانی کرنے والی میری ماں کیوں اپنی اولاد سے بھی خدمت کرواتے ہوئے جھجھکتی ہے۔ ہمیشہ سے اپنے لیے ایک ہی دعا کرتی تھیں کہ یا اللہ مجھے کسی کا محتاج نہ کرنا۔ تمام زندگی اپنی ذات کو کسی بھی آسائش کا محتاج نہیں ہونے دیا۔ ہم سب کو بھی ہمیشہ یہی سکھایا کہ ہر حالات میں گزارا کرنا آنا بھی ایک فن ہے۔ بچوں کی شادیوں کے بعد زیادہ وقت تو لاہور اپنے چھوٹے بیٹے کے ہاں ہی گزارا مگر ہر دو تین ماہ بعد واپس اپنے گھر آجاتی پھر کبھی بیٹیوں کے پاس کچھ دن کے لیے رہ آتیں۔ زیادہ تر اسلام آباد ہی آتیں میرے بے حد اصرار اور ضد کی وجہ سے۔ مگر وہاں بھی آکر ہر طرح سے مدد کرتیں۔ بہت بار بازار سے خود سودا سلف، گوشت سبزی لے آتی اور پکا بھی دیتیں۔ اور بھی چھوٹے بڑے کئی کام سنوار جاتیں۔ اور اگر کوئی کہتا کہ آپ آرام کریں تو کہتیں میرے ہاتھ پاؤں سلامت ہیں ابھی۔ لاہور بھی پوتے پوتیوں کو قرآن مجید پڑھایا اور اسکے علاوہ حساب کے مضمون میں مدد کرتی رہتیں۔ آخر تک بھی حتی الوسع اپنے کام خود ہی کر لیا کرتیں۔ جب صحت اجازت نہیں دیتی تھی تب بھی بیٹھے بیٹھے سبزی بنا دیتیں، کبھی اچار کے لیے لیموں مرچیں لے کر بیٹھ جاتیں۔ کبھی سوئی دھاگہ لے کر بیٹھی کچھ سی رہی ہوتی یا اون سلائیاں لیے کچھ بننے لگ جاتیں۔ اخبار باقاعدہ پڑھا کرتیں اور پھر کوئی دلچسپ خبر ہوتی تو وہ سب کو تبصرے کے ساتھ سنایا کرتیں۔ عمر کے آخری ایام میں نظر کی کمزوری کی وجہ سے پڑھنے اور سوئی سلائی کے کام میں مشکل ہونے لگی تھی۔ تب بھی اپنے کام جیسے نہانے کے بعد اترے ہوئے کپڑے دھو لینا اور جب کوئی ٹوکے تو کہتیں کہ وہ کام ہی کتنا تھا، ٹب میں سرف ڈال کر بھگو دیتی ہوں اور تھوڑی دیر بعد کھنگال کر تار پر۔

امی جان ایک متحرک شخصیت کی مالک تھیں۔ ترقی پسند اور سائنسی ایجادات کی حامی۔ نئے طور طریقوں کو اپنانے میں عار محسوس نہیں کرتیں تھیں اگر وہ مذہب اور اخلاق کے دائرے میں ہوں۔ امن پسند طبیعت کی وجہ سے لڑائی جھگڑے پر سمجھوتے کو ترجیح دیا کرتیں۔ امی جان کی صبر و برداشت کی عادت کی ساری دنیا معترف تھی اور باقی سب کو بھی صبر اور استقامت کا درس دیا کرتیں۔ بیوگی کے پینتیس سال اسی صبر اور شکر سے گزارے۔

ہمیشہ سے ان کے پاس لوگوں کی امانتیں ہوتیں۔ زیور، پیسے اور پرائز بانڈ۔ اس حوالے سے میری پہلی یاد کچھ اتنی خوشگوار نہیں۔ ہوا یوں کہ میرے بچپن میں ایک بار امی جان بیمار پڑ گئیں اور کئی روز تک تیز بخار چڑھتا رہا۔ ایک دن سخت کمزوری اور بخار کی حالت میں مجھے پاس بٹھایا اور کہنے لگیں کہ میرے پاس فلاں فلاں کی امانتیں ہیں۔ میں نے لکھ کر رکھا ہوا ہے سب۔ اپنی خالہ کو بتا دینا۔ مجھے آج تک اپنی وہ خوف کی حالت نہیں بھولی۔ میرے لیے اس بات کا تصور بھی ناممکن تھا۔ میں نے ان سے کچھ کہا نہیں بس خاموش ہو گئی پھر امی جان کچھ محسوس کر کے بولیں کہ ”چندا! جب لوگ بوڑھے ہو جائیں تو ان سے اتنا پیار نہیں کرتے“

سچ ہی کہا کرتی تھیں۔ کیونکہ اس بے تحاشا پیار میں بھی اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ کسی اپنے کو جانے سے روک لے۔ لیکن آج بھی میری امی جان کا پیار اور وجود مجھے اپنے آس پاس محسوس ہوتا ہے۔ انکے ہاتھ کے کھانوں کے ذائقے میں، انکی مختلف عادات جو مجھے انکے بچوں میں نظر آتی ہیں اور انکی نصیحتوں میں، اپنی ہر چھوٹی بڑی کامیابی میں، ہر مشکل گھڑی میں جب کوئی فیصلہ کرنا ہو اور سوچتی ہوں کہ میری امی جان اس موقع پر کیا کرتی تھیں۔ اور سب سے بڑھ کر انکی بے شمار دعاؤں کی صورت میں جو وہ ہم سب کے لیے چھوڑ گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ میری ماں کو جنت میں بہترین مقام عطا فرمائے، ہر طرح سے چین اور سکون پائیں۔ آمین ثم آمین۔

بقیہ: ربط ہے جانِ محمدؐ سے مری جاں کو مدام...... از صفحہ 4

کنڈی ہلائی حضرت اقدسؑ واپس تشریف لائے مسکرا کر فرمایا شاہ صاحب کیا ہے۔ کیا کام ہے۔ شاہ صاحب نے عرض کیا کہ میں حضورؑ کو حلف تو نہیں دے سکتا کہ ادب کی جگہ ہے اور نہ میں اوروں کا حال دریافت کرتا ہوں صرف اپنا حال پوچھتا ہوں کہ رُوگردان لوگوں میں میں ہوں یا نہیں۔ حضرت اقدسؑ شاہ صاحب کی بات سن کر بہت ہنسے اور اپنا دایاں ہاتھ اٹھا کر اور ہلا کر فرمایا شاہ صاحب تم ان میں نہیں۔ شاہ صاحب تم رُوگردان لوگوں میں نہیں ہو اور ہنستے ہنستے یہ فرما کر دروازہ بند کر لیا تب فضل شاہ صاحب کی جان میں جان آئی۔

(تذکرۃ المہدیؑ صفحہ 314)

کھیل اور مذاق میں بھی شائستگی رکھنے کی نصیحت کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ نے حضرت اقدسؑ کی مثال دی فرمایا:

”ہنسی اور مذاق کرنا جائز ہے۔ رسول کریم ﷺ مذاق کیا کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ بھی مذاق کرتے تھے۔ ہم بھی مذاق کر لیتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم مذاق نہیں کرتے۔ ہم سو دفعہ مذاق کرتے ہیں لیکن اپنے بچوں سے کرتے ہیں، اپنی بیویوں سے کرتے ہیں۔ لیکن اس طرح نہیں کہ اس میں کسی کی تحقیر کا رنگ ہو۔ اگر منہ سے ایسا کلمہ نکل جائے جس میں تحقیر کا رنگ پایا جاتا ہو تو ہم استغفار کرتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ہم سے غلطی ہوئی۔۔۔ میں اس لحاظ سے برا نہیں مناتا کہ ہنسنا کھیلنا جائز نہیں۔ تم بے شک ہنسو اور کھیلو لیکن بازی بازی باریش بابا ہم بازی۔ (یعنی) کھیل کھیل ہے تو ٹھیک ہے لیکن اگر باپ کی داڑھی سے بھی کھیلا جائے تو یہ جائز نہیں۔ خدا تعالیٰ کا مقام خدا تعالیٰ کو دو۔ فٹبال کا مقام فٹبال کو دو۔ مشاعرے کا مقام مشاعرے کو دو اور پیشگوئیوں کا مقام پیشگوئیوں کو دو۔ اگر تمہیں کھیل اور تمسخر کا شوق ہو تو لاہور جاؤ اور مشاعروں میں جا کر شامل ہو جاؤ۔ اگر تم لاہور جا کر ایسا کرو گے تو لوگ یہی کہیں گے کہ لاہور والوں نے ایسا کیا۔ یہ نہیں کہیں گے کہ احمدیوں نے ایسا کیا۔ لیکن یہاں اس کا دسواں حصہ بھی کرو گے تو لوگ کہیں گے کہ احمدیوں نے ایسا کیا۔ پس میں تمہیں ہنسی سے نہیں روکتا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ ہنسی میں اس حد تک نہ بڑھو جس میں جماعت کی بدنامی ہو۔“

(الفضل 12 مارچ 1952ء صفحہ 4)

حنیف احمد محمود۔ برطانیہ

موبائل فونز اور آداب مساجد

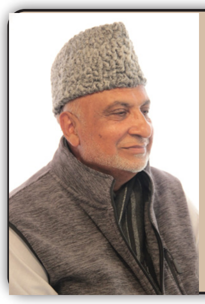

آج کے سائنسی دور میں نت نئی ایجادات کی وجہ سے جو سہولتیں انسان کو مل رہی ہیں اُن میں سے ایک موبائل فونز کا کثرت سے استعمال بھی ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ انسان کی ضرورت بن چکا ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ کے گھر کے بھی تو بعض آداب ہیں۔مجھے چونکہ بڑے شہروں میں بطور مربی سلسلہ خدمات بجالانے کی توفیق ملتی رہی ہے۔جہاں سرکاری اور نجی قسم کے مختلف کمپنیوں کے دفاتر ہوتے ہیں اور میں نے بارہا دیکھا ہے کہ ماتحت اپنے افسر کے دفتر میں جانے سے قبل اپنے موبائل فونز بند کر لیتے ہیں۔ایک دفعہ مجھے اپنے ایک دوست سے ضروری کام تھا۔میں اُن سے اُن کے موبائل پر رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔مگر اُن کے موبائل سے عارضی طور پر بند ہے کے الفاظ سنائی دیتے تھے۔کچھ دیر بعد رابطہ ہونے پر معلوم ہوا کہ وہ دوست اپنے افسر کے پاس گئے ہوئے تھے۔اس لئے انہوں نے اپنا موبائل بند کیا ہوا تھا۔

تو خدا تعالیٰ تو تمام افسروں کا افسر بلکہ احکم الحاکمین ہے۔اس کے دفتر میں آتے وقت۔اس کے گھر میں آتے وقت اپنے موبائلز بند کر لینے چاہئیں۔ورنہ دیکھا گیا ہے کہ نماز کے دوران یا خطبات،تقاریر کے دوران اور درسوں کے دوران مختلف نغموں کے سازوں پر مشتمل گھنٹیاں سنائی دیتی ہیں۔ایک طرف نماز باجماعت ہو رہی ہو اور انسان اپنے آپ کو اس دنیا سے منقطع کر کے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوا ہے اچانک کسی نغمے کے الفاظ کان میں پڑیں یا کسی فلمی نغمے کا ساز سنائی دے تو بہت پریشانی ہوتی ہے۔

اب تو اس کا استعمال اس کثرت سے ہے کہ قریباً ہر بیت الذکر سے باہر مین گیٹ پر اور اندر بھی جگہ جگہ نوٹس آویزاں نظر آتے ہیں کہ ”براہ کرم اپنے موبائلز بند کر لیں“

نسیان چونکہ انسان کی طبیعت کا حصہ ہے۔وہ بھولن ہار ہے۔اگر وہ کسی وقت بند کرنا بھول گیا اور نماز کے دوران گھنٹی ہوگئی تو وہ اب شرمانے کے باعث فوراً بند بھی نہیں کرتا۔اُسے چاہئے کہ وہ فوری طور پر فون نکال کر بند کرلے۔یوں فون نکال کر بند کرنے سے اس کے ارد گرد دو تین نمازیوں کی نماز خراب ہوگی بجایہ کہ بند نہ کر کے بیت الذکر میں موجود تمام نمازیوں کی نماز میں خلل کا باعث ہو۔

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ وہ فوری طور پر کال منقطع کرنے کا بٹن دباتا ہے اور چند لمحوں کے بعد پھر گھنٹی بجنی شروع ہو جاتی ہے۔کیا ہی اچھا ہو کہ وہ آن کا بٹن دبائے تا کہ فون کرنے والا اللہ اکبر یا نماز میں کسی حصہ کی تلاوت سُن کر سمجھ جائے کہ میرا مطلوبہ شخص اس وقت نماز میں مصروف ہے۔آج سے کچھ عرصہ قبل تک جب آنے والی کال کے بھی چارجز ہوتے تھے یہ مشورہ نہیں دیا جا سکتا تھا۔مگر اب تو وہ فری ہے صرف بیٹری استعمال ہوتی ہے۔کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

اسی طرح یہ بات بھی نوٹ کی گئی ہے کہ بعض لوگ دوران درس، تقریر یا خطبہ ہم کسی کے موبائل پر گھنٹی کی آواز سنتے ہیں اور دوسرے اس کی طرف خفگی کی نگاہ سے دیکھ کر اُسے یہ تاثر بھی دیتے ہیں کہ تم نے اچھا نہیں کیا لیکن اپنے موبائل کو چیک نہیں کرتے کہ کہیں وہ آن تو نہیں رہ گیا۔کہیں چند لمحوں تک اس کے موبائل پر گھنٹی بجنے والی ہے۔اس لئے چاہیے تو یہ کہ کسی کے موبائل پر گھنٹی کی آواز سُن کر فوراً ہر شخص اپنا اپنا موبائل چیک کرلے۔دیکھا گیا ہے کہ ایک ہی نشست میں یا ایک ہی نماز میں مختلف جہت سے تین چار دفعہ فون کی آوازیں آجاتی ہیں۔جن سے بار بار نمازی کی توجہ بٹتی ہے۔

ہاں اس سلسلہ میں ایک اور اہم بات جس کی بعض پڑھے لکھے اور سمجھدار بھی خطا کر جاتے ہیں۔مدنظر رکھنی ضروری ہے۔آج کل برق رفتاری کے ساتھ ایجادات کے ماڈل بدل رہے ہوتے ہیں اور نیا ماڈل یا ڈیزائن پہلے کی نسبت بہت زیادہ سہولیات کو مدنظر رکھ کر تیار کیا گیا ہوتا ہے اور طبعاً ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ میں زیادہ سہولیات والا ماڈل یا ڈیزائن والا لوں۔آج کل فون کو وائبریشن پر کر دیا جاتا ہے۔معمولی سی حرکت سے انسان کو احساس دلا دیتا ہے کہ فون آیا ہے۔بالخصوص التحیات کے آخری لمحات میں جب آتا ہے تو بعض لوگ امام کے التحیات سے فارغ ہونے کے فوراً بعد کاندھے پھلانگتے ہوئے پیچھے کو بھاگتے ہیں کہ فون سن سکیں۔وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ایک روحانی رابطہ امام کے توسط سے اللہ تعالیٰ سے بھی ہوا ہے۔خدا تعالیٰ سے بھی تار ملی ہوئی ہے۔خدا تعالیٰ سے بھی فون پر باتیں ہو رہی ہیں۔امام نے تو ابھی آپ کو پوری طرح فارغ نہیں کیا۔آپ تو دوسرا آدھا سلام چھوڑ کر ہی بھاگ نکلے۔ابھی تسبیحات باقی ہیں۔جو نماز کا تتمہ ہے۔کجا یہ کہ آپ اپنی تسبیحات مکمل کریں بلکہ پچھلی صفوں پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے فون پر باتیں شروع کر دیتے ہیں۔جس سے باقی نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے۔وہ نماز کے بعد تسبیحات میں مصروف ہیں۔وہ نوافل اور سنتوں میں مصروف ہیں اور یہ دوست مساجد میں اپنے کاروبار کے بارے میں ہدایات دے رہے ہیں۔جبکہ احادیث کے مطابق مساجد میں نہ تو کاروبار ہو سکتا ہے اور نہ ہی مساجد سے باہر گم ہونے والی چیز کا اعلان ہوسکتا ہے۔

بعض اوقات بلکہ اکثر اوقات یہ کال ضائع ہوگئی ہوتی ہے۔اب وہ ضائع ہونے والی کال دومنٹ کے لئے بھی ضائع اور چارمنٹ یا زیادہ وقت کے لئے بھی ضائع ہے تو پھر نماز کو ادھوری چھوڑ کر اس کو سننے کا فلسفہ سمجھ سے بالا ہے۔

بعض دفاتر میں دو دو تین تین مختلف نوعیت کے فونز ہیں۔کوئی عام نمبر ہے۔کوئی انٹر کام ہے۔موبائل بھی ساتھ ساتھ ہیں اور بعض دوستوں نے تو مختلف کمپنیوں کے موبائل نمبرز اپنی سہولت کی خاطر رکھے ہوئے ہیں اور ہمارے مشاہدہ میں یہ بات روزانہ ہی آتی ہے کہ ایک ہی وقت میں دو یا تین فونز پر اکٹھے ہی گھنٹی بج جاتی ہے یا ایک فون سن رہے ہوتے ہیں تو دوسرے فون پر گھنٹی سنائی دیتی ہے۔تو اُسے ہم کہہ دیتے ہیں کہ میں ابھی ٹھہر کے بات کرتا ہوں یا آپریٹر کی آواز آتی ہے کہ صاحب دوسرے نمبر پر مصروف ہیں اور اگر کوئی ماتحت بڑے کو فون کرے تو افسر یا اس کا آپریٹر کہہ دیتا ہے کہ دوسری لائن پر مصروف ہیں۔ٹھہر کے بات کریں۔

تو پھر خدا تعالیٰ جو خالق کائنات ہے۔اس سے انسان رابطہ میں ہو۔راز و نیاز کی باتیں ہو رہی ہوں۔انسان کے دل کی تار اس خدائے عزوجل سمیع وعلیم اور مجیب الدعوات سے ملی ہوئی ہو تو پھر وہ دنیاوی افسر کی طرح نماز کے دوران فون آنے پر کیوں نہیں انتظار کرواتا یا کیوں اس امر کا عندیہ نہیں دیتا کہ میں ٹھہر کے بات کروں گا یا ٹھہر کے بات کرلیں۔وہ اپنی نماز میں اس طرف توجہ رکھتا ہے اور ختم ہوتے ہی روحانی دنیا سے نکل کر مادی دنیا میں چلا جاتا ہے۔جبکہ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ کی دعا بھی ابھی پڑھی نہیں ہوتی۔

بلکہ اب تو حیرانگی اس وقت انتہاء کو پہنچ جاتی ہے جب رمضان کے مبارک مہینہ کے آخری دس مبارک دنوں میں جب انسان دنیا سے مکمل انقطاع کی خاطر اپنے خالق حقیقی سے دل کی باتیں کرنے اور لقائے باری تعالیٰ کی خاطر اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد ﷺ کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے مساجد میں اعتکاف کرتا ہے۔اس دوران بھی بعض لوگ اپنے موبائلز اپنے ہمراہ رکھتے ہیں اور خود تو دنیا سے رابطہ میں رہتے ہیں اور اپنے ساتھی معتکفین کی عبادات میں بھی خلل کا باعث بنتے ہیں۔یہ دن تو کلیتاً اس دنیا کو چھوڑ کر دربار الٰہی میں بیٹھ رہنے اور اُس خدا کے ہو کر رہ جانے کے دن ہوتے ہیں۔

اکثر جگہوں پر ہماری مساجد چونکہ کمیونٹی سنٹرز کا بھی درجہ رکھتی ہیں۔جہاں مختلف نوعیت کی تربیتی میٹنگز منعقد ہوتی ہیں۔کہیں جماعت کی مجلس عاملہ کی میٹنگ ہو رہی ہے، کہیں مشاورتی کمیٹی کی، کہیں ذیلی تنظیموں کی میٹنگز ہیں۔ان میں بھی یہی کوشش ہونی چاہیے کہ ہم اپنے موبائلز کو سائلنٹ موڈ پر کر لیں۔مگر بعض ہمارے نوجوان فون آنے پر میٹنگ کے دوران ہی سر نیچے کر کے فون سُن لیتے ہیں یا فوراً بغیر اجازت صدر اجلاس کے فون سننے کے لئے اُٹھ کر باہر چلے جاتے ہیں اور اپنے کاروبار اور تجارت بارے باتیں شروع ہو جاتی ہیں جبکہ امیر یا اس کے نمائندہ کی اجازت کے بغیر اُٹھ کر جانے کی تو دینی آداب اجازت نہیں دیتے اور کاروبار و تجارت کی باتیں تو ویسے ہی مساجد میں منع ہیں اور یوں میٹنگ کی خاموشی تار تار ہو کر رہ جاتی ہے۔

بالعموم دوست یہ سمجھتے ہیں کہ خرید و فروخت تو لین دین کا نام ہے۔اس لئے منع کیا گیا ہے اگر تجارت اور خرید و فروخت کی ممانعت پر باریکی سے غور کریں تو دکان یا فیکٹری یا کمپنی میں بیٹھے اپنے ورکرز کو کاروبار خرید و فروخت کے بارے ہدایات دینا بھی تجارت کے زمرہ میں آتا ہے۔اس سے بھی پرہیز چاہئے۔

مساجد کے آداب کے تعلق میں موبائلز کے بارے میں چند باتیں تحریر میں لے آیا ہوں۔اس نیت سے کہ

شائد کہ اُتر جائے تیرے دل میں میری بات

کیونکہ مساجد کی ظاہری و باطنی صفائی رکھنے کا حکم ہے۔اللہ کے گھر میں جب فلمی نغموں کے سازوں پر مشتمل گھنٹیاں بجتی ہیں تو لازماً اللہ تعالیٰ کے گھروں کی روحانی صفائی متاثر ہوتی ہے اور وہ فضا جو نور اور روحانیت سے پُر ہوتی ہے۔لازماً متعفن ہوتی ہے اور یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ ایسی ساری گھنٹیوں سے لازماً اور لازماً فرشتے جو اپنے مومن بندوں کی دعاؤں کے پیغامات کو بارگاہ الٰہی میں لے جانے کے لئے حاضر ہوئے ہوتے ہیں۔کراہت کرتے ہوں گے۔

اس لئے اول تو مساجد کے حوالہ سے آداب جن کا تعلق خاموشی اختیار کرنے، شور شرابا نہ کرنے، اونچی آواز میں باتیں کرنے سے ہے، کو مدنظر رکھتے ہوئے مساجد میں داخلہ کے وقت ہی اپنے موبائلز بند کر لینے چاہئے۔اور اگر فلمی نغموں یا اس کے سازوں کی جگہ قرآن کریم کی تلاوت، نداء یا سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی روحانیت سے پُر، اللہ تعالیٰ سے تعلق میں پُر معارف منظوم کلام بطور رنگ ٹون کے بھرا ہو تو اگر نسیان یا بھولن ہار ہونے کی وجہ سے فون بند کرنا بھی رہ جائے تو اچھی آواز، دعاؤں پر مشتمل کلمات ہی کانوں میں پڑیں گے۔

کاشف احمد

بن جانے اور ہو جانے، میں فرق

وہ سانپ جو اپنی کینچلی بدلنے سے قاصر ہو، مر جاتا ہے اور وہ دماغ جو اپنی سوچ بدل کر بہتر کرنے سے روک دیا گیا ہو، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے ہی محروم ہو جاتا ہے۔

دنیا میں کچھ نہ کچھ ایسا ضرور ہوتا ہے جہاں ہم بھی ناسمجھ ہو جاتے ہیں۔

جب تک ہم اس غلط فہمی سے نہیں نکلتے کہ سمجھنے اور یقین ہونے میں کیا فرق ہے۔

علم اور دانائی دو یکسر مختلف چیزیں ہیں!

کسی بات کا علم ہونا صرف معلومات ہوتی ہیں اس بات کا شعور نہیں ہوتا۔

اور

اس کے لئے ہمیں ’’سمجھ‘‘ سے آگے جانا ہوتا ہے۔

جب سمجھ ہی نامکمل اور کمزور ہو تو یقین اور اور اس سے بھی آگے ایمان کی راہوں پر جانا کتنا دور ہوگا۔

پھر جب ہرطرف ’’کسی پر بھروسہ نہ کرو‘‘ کا شور ہو، اجنبی خطرناک ہوتے ہیں یعنی Stranger is Danger۔ تو پھر آپ کیسے اعتماد اور یقین کا سفر کرسکیں گے؟

بابا بلھے شاہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا ’’بابا جی! میں نے آپ سے آپ کی کرامتیں سیکھنی ہیں‘‘۔ بابا جی بولے ’’ٹھیک ہے پر ایک کام کریں‘‘(بس ایک کام کرنا)

کج بنی نہ، ہو جاویں

یعنی

عاشق صرف بنی نہ، ہو جاویں

نیک صرف بنی نہ، ہو جاویں

لوگوں کو انجنیئر، ڈاکٹر یا ٹیچر یا پھر افسر وغیرہ بن جانے کی دھن ہوتی ہے اور یہی انہیں گھر میں شروع سے سکھایا بھی جاتا ہے۔

’’بیٹا ڈاکٹر بنو‘‘۔ یا ’’انجنیئر بنو یا پھر بڑا افسر بن کر ملک کا نام روشن کرو‘‘، صرف بنو، کہیں ’’ہو نہ جانا‘‘

اسی لئے سمجھتے تو بہت کچھ ہیں مگر یقین وہ نہیں کرتے۔

انجنیئر، ڈاکٹر یا ٹیچر یا پھر بڑا افسر بھی صرف بن جاتے، ہیں ہوتے کبھی نہیں۔

آپ نے انجنیئر ڈاکٹر یا ٹیچر یا کوئی اور پیشہ ورانہ مہارت رکھنے والے بہت دیکھے ہونگے، بہت ہیں، مگر نامور اور یاد رہ جانے والے کتنے ہیں؟

نامور اور بڑے لوگ صرف وہی ہیں جو تن من دھن سے ڈاکٹر، انجنیئر یا ٹیچر یا کچھ بھی ہو جاتے، اپنی دھن میں مگن ہو جاتے ہیں، کھو جاتے اور لوگ اکثر ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کو تو دن کا ہوش ہے نہ رات کا۔ اور بس ان ہی کو سمجھ سے آگے یقین ہو جاتا ہے اپنے ڈاکٹر، انجنیئر یا ٹیچر ہونے کا۔

اس میں کوئی نیت کا مسئلہ نہیں، یہ صرف اپنی سمجھ پر اکتفا کر لینے کا مسئلہ ہے۔ صرف علم تک محدود ہونے کا مسئلہ ہے، شعور نہیں اور نہ ہی دانائی ہوتی ہے۔

لوگ اپنے آپ کو جان بوجھ کر عاشق ہو جانے یا نیک ہو جانے سے نہیں روکتے۔

وہ بس اپنی دانست میں اسی کو صحیح سمجھتے رہتے ہیں کہ ’’بس اتنا اچھا ہونا کافی ہے‘‘، ’’اتنا زیادہ نیک ہونا بھی ٹھیک نہیں۔‘‘

سمجھنے اور یقین ہو جانے کا یہی فرق ہے، جب ہمیں یقین ہو جاتا ہے تو ہم عاشق ہو جاتے ہیں۔ مکمل طور پر عاشقی میں ڈھل جاتے ہیں، مجسّم عاشق نظر آتے ہیں۔ جیسے مجنوں کی مثال دی جاتی ہے، اسی طرح چند نامور پیشہ ورانہ مہارت رکھنے والے بھی ایسے ہیں جنہیں انسانی فطرت سے بڑھ کر سمجھا جانے لگتا ہے۔ مشہور Electric Car Company کے مالک اور ایسی دیگر بڑی اور مشہور ترین کمپنیوں کے مالک Elon Musk کو کون نہیں جانتا، ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک Super Human آدمی ہیں کیونکہ وہ 24 گھنٹے اپنے کام پر ہی پائے جاتے ہیں، بس کبھی صوفے پر یا پھر اپنے ڈیسک کے نیچے کچھ دیر سوئے ہوئے ملتے تھے پھر کام پر لگ جاتے تھے۔ یہ ہے واقعی ایک انجنیئر ہو جانا۔ دن رات اسی کام کی دھن لگی ہونی چاہیے کوئی فن ہو یا تعلیم اگر ایسی دھن اور لگن ہو تو اسے ’’ہو جانا‘‘ کہتے ہیں۔ دنیا میں بس ان ہی تھوڑے سے لوگوں کے نام آپ اپنی انگلیوں پر گن سکتے ہیں۔

اسی طرح جب واقعی یقین حاصل ہوتا ہے تو ہم نیک ہو جاتے ہیں۔

نیک بنتے تو بہت ہیں، کوشش بھی نیک بن جانے کی ہی کرتے ہیں، پورے خلوص نیت سے، مگر صرف بن جانے پر اکتفا کرتے ہیں، ہو نہیں جاتے۔

بابے کہتے ہیں:

کسی کو دیکھ کر عشق میں انتہا کر دینے کی اتنی بڑی بڑی مثالیں قائم ہیں مگر یہ عشق تو کیا عشق ہوا جو سامنے موجود معشوق کو دیکھ کر ہو جاتا ہے۔

اصل میں تو بنا دیکھے عشق کرنا اصل عشق ہوتا ہے کسی کو بنا دیکھے صرف اس کے تخلیق کردہ نقوش اور آثار اور شاہکار دیکھ کر عاشقی کی مثال قائم کرنا اور ایسے فدا ہو جانے کی مثال قائم کرنا جس کو دنیا دیکھے تو عش عش کر اٹھے اصل عشق ہے جو ولیوں اور نبیوں کے حصے میں ہی آیا۔

جیسے کسی شاعر نے خوب کہا ہے کہ

تجھے دیکھ کر جگ والے پر یقیں نہیں کیونکر ہوگا

جس کی رچنا اتنی سندر، وہ کتنا سندر ہوگا

ایک وجود کے عشق میں مبتلا ہو جانے سے جب ایسے درخشندہ مثالیں قائم ہو جاتی ہیں کہ دنیا حیران پریشان رہ جاتی ہے، چاہے وہ کوئی انسان ہو جانور، یا کوئی شوق، یا پھر کوئی دھن اور لگن، تو ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ، وجود کے عشق سے آگے، ان سب وجودوں کے خالق کے بارے میں سوچنے اور اس کے عشق میں مبتلا ہو جانے سے کیا کیا شاندار شاہکار تخلیق ہو سکتے ہیں۔ کیا کیا عظیم مثالیں قائم ہوسکتی ہیں۔ کسی شاندار تخلیق کو دیکھ کر تو اس کے خالق کے عشق میں مبتلا ہو جانا ایک ناگزیر امر ہے اور اگر ایسا نہیں ہوتا تو پھر تخلیق کا عشق بھی ادھورا اور نامکمل ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کسی شخص کو پسند کرنے کا مطلب اس سے متعلق ہر چیز، ہر بات اور ہر کام کو بہت اہم اور عزیز سمجھنا ہوتا ہے، یعنی اس کی ہر تخلیق کو عزیز سمجھنا ہوتا ہے، تو پھر اسی شخص کے خالق کو کیوں اہمیت نہیں دی جاتی؟

گل بس اوتھے ہی آکے مکدی ہے، کہ ہم صرف سطحی سمجھ پر اکتفا کرتے ہیں اس سے آگے یقین اور ایمان تک جانے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ مزید غور کرنے کا تردد اور گہرائی میں اتر کر سوچنے کی تکلیف کیوں نہیں کرتے؟

سامنے کی چیز کو دیکھ کر مانتے ہیں، بس صرف اس حد تک تکلیف کرتے ہیں، اس سے آگے گہرائی میں جانے کا وقت نہیں ہے۔

وقت، جس کا نہ ہونا ایک موثر بہانہ ہے، اپنی نااہلی یا عدم دلچسپی کو لپیٹ کر چھپا لینے کا اور اپنی اصل ترجیحات کو مصروفیت کا نام دے کر غیر ضروری لوگوں اور کاموں سے جان چھڑا لینے کا۔

یہ جتنے بھی دانائی رکھنے والے عظیم ترین اور کامیاب ترین لوگ تھے اور اب بھی ہیں، کیا ان کو آپ سے زیادہ وقت ملا، جو انہوں نے اتنے عظیم کارنامے سرانجام دیئے؟ کیا ان کا دن 24 کی بجائے 26 یا پھر 30 گھنٹے کا ہوتا ہے جو ان کے لئے اتنا کچھ کر لینا آسان ہوتا ہے؟

ایک قابل توجہ امر

1۔ قرآنی آیت میں ’’الخ‘‘ اور محمدؐ کے ساتھ ’’صلعم‘‘ نہ لکھا کریں۔ پرانے طریق کے مطابق بعض کمپوزر حضرات آیت قرآنیہ کا کچھ حصہ لکھ کر طوالت سے بچنے کے لئے ’’الخ‘‘ لکھ دیتے ہیں جبکہ مکمل آیت لکھنا اور پڑھنا باعثِ برکت ہے۔ آنحضورؐ نے فرمایا ہے کہ جس نے قرآن کا ایک حرف پڑھا اس کے حق میں دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اور پھر فرمایا الٓمّٓ میں تینوں الگ الگ حروف ہیں۔

لہٰذا ادارہ الفضل آن لائن خوشی محسوس کرے گا کہ قرآن کریم کی آیات مکمل دی جائیں تا قاری درج بالا حدیث کے مطابق زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کرے۔

2۔ بعض دوست اپنے مضمون یا میسیج میں محمدؐ کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے ’’صلعم‘‘ لکھ دیتے ہیں۔ یہ عمل اپنے اس ثواب کو کم کرنے کے مترادف ہے جس کا ذکر احادیث میں ملتا ہے۔ آنحضورؐ نے فرمایا جس نے میرا نام آنے پر درود پڑھا اس کے حق میں دس نیکیاں لکھی گئیں اور دس بدیاں مٹائی جاتی ہیں۔

اس حوالہ سے بھی ادارہ الفضل اپنے قارئین کے لئے حصول ثواب کا ذریعہ بنتے ہوئے مکمل صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھنے کو ترجیح دے گا۔

(ایڈیٹر الفضل آن لائن)

DAILY LONDON
ALFAZL
ONLINE

www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION | Download on the App Store | ANDROID APP ON Google play

اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء
درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
+44 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

ادارہ کا مضمون نویسوں، تبصرہ و مراسلہ نگاروں کے خیالات اور آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں

ابن زاہد شیخ

اطفال کارنر

ڈیلی روٹین برائے اطفال

پیارے بچو! وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ایک بہت بڑی نعمت ہے اور ہم نے اس زمانہ کے امام حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی بیعت کی ہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا عربی زبان میں الہاماً یہ وعدہ ہے جس کا ترجمہ ہے کہ تو وہ بزرگ مسیح ہے جس کا وقت ضائع نہیں کیا جائے گا

(الہام 900 تذکرہ طبع چہارم صفحہ 389)

پس آج میں آپ کو اس طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اپنے وقت کو ضائع ہونے سے بچائیں۔ اس لئے آج میں آپ سب بچوں کو دن بھر کو ترتیب دینے اور اپنے دن گزارنے کی روٹین کے متعلق بتاؤں گا۔ یہ روٹین ہم نے جامعہ احمدیہ سے سیکھی اور آپ میں سے جو بچے جامعہ احمدیہ میں داخلہ لینا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے یہ روٹین جامعہ کی تیاری کے لئے بھی اہم ہوگی۔

دن کا آغاز: دن کے آغاز میں سب سے پہلا کام جو ہم نے کرنا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ جو بچے نماز تہجد ادا کرنا چاہتے ہیں وہ نماز فجر سے قبل اٹھ کر وضو کر کے نوافل ادا کر لیں اور جو وقت فجر پر بیدار ہوئے ہیں۔ انہیں فجر باجماعت ادا کرنی چاہیئے۔ نماز فجر بر وقت ادا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ رات کو آپ جلد سو جائیں۔ نماز فجر کے بعد آپ سب تلاوت قرآن کریم کم از کم دو رکوع کریں۔ جو بچے ترجمہ پڑھ سکتے ہیں وہ ترجمہ بھی پڑھ لیں۔ اس کے بعد کچھ وقت سیر کریں اور پھر اسکول کی تیاری کر کے ناشتہ کر لیں۔

اسکول سے واپس آ کر دوپہر میں نماز ظہر باجماعت ادا کریں اور کھانا کھا کر کچھ وقت آرام کر لیں۔ شام کو اٹھ کر نماز عصر ادا کریں۔ کچھ وقت گراؤنڈ میں کھیل لیں یا کھلی جگہ پر ورزش کر لیں۔ پھر فریش ہو کر نماز مغرب باجماعت ادا کریں۔ نماز مغرب ادا کرنے کے بعد اگر آپ نے گھر کا کوئی کام کرنا ہے۔ بازار سے کچھ خریداری کرنی ہے۔ کسی دوست یا عزیز سے ملاقات کرنی ہے۔ ٹی وی پر ایم ٹی اے کے پروگرامز یا معلوماتی پروگرامز دیکھنے ہیں تو یہ سب کام کر لیں۔

دن کا اختتام: نماز عشاء کا وقت ہوتے ہی نماز عشاء باجماعت ادا کریں۔ پھر شام کا کھانا کھالیں اور کم از کم دو گھنٹے اپنے سڈی ٹیبل اور کرسی پر بیٹھ کر سڈی کریں۔ اس دوران پانی کی بوتل وغیرہ اپنے پاس رکھیں تا کہ آپ کو بار بار ٹیبل سے اٹھنا نہ پڑے۔ اس کے بعد برش کر لیں۔ صبح اسکول جانے کے لئے تیاری جس میں اسکول بیگ، یونیفارم اور شوز وغیرہ کی تیاری ہے کر لیں۔ رات کو سوتے ہوئے کسی بھی بزرگ کی سیرت پڑھ لیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ سیرت النبی ﷺ سے اس مطالعہ کا آغاز کریں۔ اسی طرح جماعت کے اخبارات اور رسائل جیسا کہ الفضل آن لائن کے اطفال کارنر کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ پھر درود شریف اور دیگر دعاؤں کا ورد کرتے ہوئے سو جائیں۔

جمعے والے دن نماز جمعہ ادا کرنے اور خطبہ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سننے کا اہتمام ضرور کریں۔ اسی طرح ویک اینڈ پر اپنے والدین کے ساتھ پکنک یا سیر کے لئے بھی جاسکتے ہیں۔ والدین کا ان کے کاموں میں ہاتھ بٹا سکتے ہیں۔ اپنے پورے اگلے ہفتہ (Week) کی تیاری کر سکتے ہیں۔ والدین کے ساتھ فیملی کلاس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ واقفین نو کے اور اطفال کے پروگرامز میں شامل ہو سکتے ہیں۔

یہ روٹین دنیا کے مختلف ممالک میں وقت، سورج کے طلوع و غروب ہونے اور انتظامات کے حوالہ سے مختلف ہوسکتی ہے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ اس روٹین میں بتائے گئے کاموں پر آپ سب عمل کرنے کی کوشش کریں اور اپنے وقت کو ضائع ہونے سے بچائیں تا کہ آپ جماعت، معاشرے اور اپنے خاندان کے لئے مفید وجود بن سکیں اور ہم ایسے کام کریں کہ اللہ بھی ہم سے خوش ہو جائے۔ آمین

اپنی اس عمر کو اک نعمتِ عظمیٰ سمجھو
بعد میں تا کہ تمہیں شکوہ ایام نہ ہو

فقہی کارنر

جمعہ کا اہتمام

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ تحریر کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جمعہ کے دن خوشبو لگاتے اور کپڑے بدلتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 61)

(داؤد احمد عابد۔ استاد جامعہ احمدیہ برطانیہ)

ایک سبق آموز بات

ایک افریقن کہاوت ہے کہ ایک بچہ رینگ رینگ کر ہی کھڑا ہونا سیکھتا ہے۔ (انٹرنیٹ)

اس کہاوت کو طبی لحاظ سے بھی پیش کیا جاتا ہے کہ کرالنگ کرنا بچے کے دماغ کے لئے کتنا ضروری ہے۔ لیکن ایک عام انسان کو بھی محنت کی ضرورت سکھاتی ہے۔ ایک طالب علم کے لئے پڑھائی میں، ایک تاجر کے لئے تجارت میں، ایک بیمار شخص کے لئے بیماری میں یہ ضروری ہے کہ وہ آہستہ آہستہ محنت، جذبے اور دھیمی رفتار کے ساتھ ترقی سے نہ گھبرائے۔ جیسے ایک بچہ کرالنگ کر کے بالآخر کھڑا ہونا اور چلنا سیکھ لیتا ہے ویسے ہی ہر انسان کے لئے جلد یا بدیر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ممکن ہے۔ حتیٰ کہ روحانی زندگی میں بھی مجاہدہ ضروری ہے کیونکہ ایک دن میں کوئی قطب اور ولی نہیں بن سکتا۔ وَالَّذِیۡنَ جَاہَدُوۡا فِیۡنَا لَنَہۡدِیَنَّہُمۡ سُبُلَنَا۔

ذیشان محمود۔ سیرالیون

26 اگست 2022ء		طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ		04:43	18:42
مدینہ منورہ	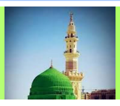	04:40	18:46
قادیان		04:34	19:00
ربوہ		04:14	18:40
اسلام آباد ٹلفورڈ	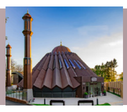	04:37	20:03